یہود اور امت مسلمہ کے اسباب عروج وزوال میں مماثلت

(تجزیاتی مطالعہ)

(تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

مظہر حیات

ایم فل علوم اسلامیہ

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جون ۲۰۱۹ء

یہود اور امت مسلمہ کے اسباب عروج وزوال میں مماثلت

(تجزیاتی مطالعہ)

(تحقیقی مقالہ برائے ایم فل علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

مظہر حیات

ایم فل علوم اسلامیہ

نگران تحقیق

ڈاکٹر نور حیات

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

شعبہ علوم اسلامیہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

جون ۲۰۱۹ء

مظہر حیات ©

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: **یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ عروج وزوال میں مماثلت**

The Common Factors that led to the Rise and Downfall of Both the Jews Muslims

نام ڈگری: ایم فل علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: مظہر حیات

رجسٹریشن نمبر: 1089-MPhil/IS/F-15

ڈاکٹر نور حیات خان ایسوسی ایٹ پروفیسر
(نگران مقالہ)

____
نگران مقالہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر شاہد صدیقی
(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز)

____
ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

بریگیڈئیر محمد ابراہیم
(ڈی جی نمل)

____
ڈی جی نمل کے دستخط

تاریخ: __________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں مظہر حیات ولد محمد اکبر

رجسٹریشن نمبر: 1089-MPhil/IS/F-١٥

طالبعلم، ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتاہوں کہ مقالہ

بعنوان: **یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ عروج وزوال میں مماثلت**

The Common Factors that led to the Rise and Downfall of Both the Jews Muslims

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر نور حیات خان ایسوسی ایٹ پروفیسر کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: مظہر حیات

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

نمبر شمار	فہرست مضامین	صفحہ نمبر
۱	منظوری فارم	III
۲	حلف نامہ	IV
۳	اظہار تشکر	VII
۴	انتساب	VIII
۵	ABSTRACT	IX
۶	مقدمہ	X
۷	**باب اول: یہود اور امت مسلمہ کی مختصر تاریخ، الہامی کتب اور انبیائے کرام**	۱
۸	فصل اول: یہود کی مختصر تاریخ	۲
۹	فصل دوم: امت مسلمہ کی مختصر تاریخ	۱۴
۱۰	فصل سوم: الہامی کتب	۲۴
۱۱	فصل چہارم: انبیاے کرام	۳۵
۱۲	**باب دوم: یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ عروج میں مماثلت**	۵۹
۱۳	فصل اول: یہود کے اسبابِ عروج	۶۰
۱۴	فصل دوم: امت مسلمہ کے اسبابِ عروج	۷۶
۱۵	فصل سوم: دونوں کے اسبابِ عروج میں مماثلت	۸۸
۱۶	**باب سوم: یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ زوال میں مماثلت**	۹۳
۱۷	فصل اول: یہود کے اسبابِ زوال	۹۴
۱۸	فصل دوم: امت مسلمہ کے اسبابِ زوال	۱۱۷
۱۹	فصل سوم: دونوں کے اسبابِ زوال میں مماثلت	۱۳۵
۲۰	**باب چہارم: امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے کی تدابیر**	۱۴۲
۲۱	فصل اول: اتحاد امت اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں	۱۴۳
۲۲	فصل دوم: عمل بالشرع اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں	۱۵۶
۲۳	فصل سوم: عدل اجتماعی اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں	۱۶۴
۲۴	خلاصہ کلام	۱۷۹

۲۵	نتائج	۱۸۱
۲۶	سفارشات	۱۸۳
۲۷	فہرست آیات قرآن	۱۸۴
۲۸	فہرست آیات تورات	۱۹۱
۲۹	فہرست احادیث	۱۹۲
۳۰	فہرست اصطلاحات	۱۹۴
۳۱	فہرست اماکن / بلدان	۱۹۵
۳۲	فہرست مصادر و مراجع	۱۹۶

اظہار تشکر

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين، نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين أما بعد:

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں جو اس پوری کائنات کا خالق ومالک ہے۔ اللہ تعالی کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے مجھے علم حاصل کرنے کی توفیق بخشی جس کی وجہ سے میں تحقیقی مقالہ لکھنے کے قابل ہوا۔

میں مشکور ہوں:

اپنے والدین کا جن کی دعائیں محبت وشفقت ہمیشہ شامل حال رہی ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے میری بہت مدد کی، اور اپنے بڑے بھائی کا جنہوں نے تعلیم کے حصول کے لیے میری رہنمائی کی۔

اس کے بعد میں مشکور ہوں اپنے استاد محترم اور سپروائزر ڈاکٹر نور حیات صاحب اور جامعہ نمل کے شعبہ علوم اسلامیہ کے جملہ اساتذہ اور خصوصا صدر شعبہ علوم اسلامیہ ڈاکٹر عبد الغفار بخاری صاحب کا جن کے توسط سے اس یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامیہ آئے روز ترقی کی منازل طے کر رہا ہے اور تمام لائبریریوں (IRI, AIOU NUML,) کے عملے کا اور ہر اس شخص کا جس نے میرے ساتھ اس تحقیقی کام میں کسی قسم کی بھی مدد کی۔ ان تمام کے لیے میری دعا ہے اللہ تعالی سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مظہر حیات

ایم فل علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

انتساب

محترم اور قابل عزت **اساتذہ** اور **والدین** کے نام

جن کی محنت اور دعاؤں کی بدولت میں اس مقالہ کو لکھنے کے قابل ہوا

ABSTRACT

The Common Factors that led to the Rise and Downfall of Both the Jews and Muslims

It is the law of the Creator that he bestows authority in the land to those who are deserving of it. And those nations that follow the laws of the Creator they are those who are bestowed with authority in the land. Whereas those nations that leave these laws or go against them, they are stripped of their authority. And this is the situation that befell Jews. As long as they followed these God given laws they were bestowed with authority in the land, and when they abandoned these laws they were dispossessed of their authority. And this is exactly what has befallen the Muslim nation. As long as the pious predecessors of the Muslims remained steadfast upon the divine laws they remained the leaders of the world. And when the later generations of Muslims forsook these laws they were disgraced and humiliated in the land.

There are some commonalities when it comes to the rise and fall of Jewish nation and the Muslim nation.

The reasons for the rise of Jews:

These reasons have been mentioned in the Torah as well as in the Quran.

Belief in the Oneness of the Creator, Prophet hood – that remained amongst them for a long period of time, Divine Scripture, Knowledge and its safeguard, Superiority over other nations, Fighting/ striving for the sake of One God, Conquest and victory and Blessings and favours of the Lord

The reasons for the rise of Muslim Ummah:

Belief in the Oneness of the Creator, Prophet hood – that remained amongst them for a long period of time, Firm belief in the Quran, Following the Prophet, Fighting/ striving for the sake of One God, Justice in the Muslim community and Unity within the Muslim community.

Just as there are commonalities in the rise of these two nations, similarly both have commonalities in their downfall.

The reasons for the downfall of Jews:

Shirk i.e. Idolatry or polytheism, Forsaking fighting and striving in the sake of the Lord, Killing of their Prophets, Abandoning Divine laws, Sectarianism, Greed of all worldly things, Moral decline and Usury in financial/ business transactions

The reasons for the downfall of the Muslim Nation:

Shirk i.e. Idolatry or polytheism, Forsaking the Quran, Greed of all worldly things and hatred of death, Sectarian infighting, Forsaking fighting and striving in the sake of the Lord, Disobedience of the Prophetic Way, Abandoning Divine laws, Moral decline and Usury in financial/ business transactions

The only possible solution of this downfall lies in a return to unity from sectarianism, a firm adherence to Divine Laws and a return to justice in the land. In this lies the survival of the Muslim Ummah.

Keywords: Jews, Muslims, Rise, Downfall, Divine Scripture, Prophet hood, Idolatry, Usury, Sectarianism, Law, Justice

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

موضوع کا تعارف:

قرآن مجید میں کثرت سے سابقہ امتوں کا تذکرہ موجود ہے، ان میں سے یہود بھی ہیں، جن کی طرف اللہ تعالی نے انبیاے کرام کی ایک بڑی تعداد کو مبعوث کیا، کتابیں نازل کیں اور انعامات کی بارش کی، تمام امتوں پر ان کو فضیلت بخشی لیکن اس کے باوجود یہود اللہ تعالی کے غضب کا شکار ہوئے اور آخر کار اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے زوال پزیر ہوئے اور انبیاے کرام کی زبانوں سے ان پر لعنت بھیجی گئی۔

حضرت عیسی علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ کی بعثت ہوئی اور جن لوگوں نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کیا اور عقیدہ توحید و رسالت کو تسلیم کیا وہ لوگ آپ ﷺ کے امتی کہلائے اور ما قبل تمام امتوں پر فضیلت دی گئی اور تاریخ شاہد ہے کہ اللہ تعالی نے اس امت کو جو عروج بخشا وہ کسی بیان کا محتاج نہیں اور اس عروج کا سب سے بڑا سبب اللہ تعالی کے ایک عظیم فرمان پر عمل تھا۔
ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ (۱)

لیکن ایک عرصے سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ یہود کی طرح وہ امت جو عروج کی چوٹیوں کو چھو رہی تھی زوال میں جا گر رہی ہے۔ یہود کی طرح فرقوں میں بٹ گئی اور آخر کار وہ امت جو پوری دنیا میں حکومت کرتی تھی اور جس کا سکہ چلتا تھا آج وہ اپنے ملکوں میں بھی محفوظ نہیں۔ لہذا آج اس امر کی ضرورت ہے امت مسلمہ میں موجود بد اعمالیاں جو یہود کے زوال کا سبب بنی، کی نشان دہی کی جائے تا کہ ان بیماریوں کا علاج کر کے اس امت کو پھر سے عروج و کامرانی کی شاہراہ پر گامزن کیا جا سکے۔

موضوع کی اہمیت:

۱۔ کتاب و سنت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کے جہاں بھی ان میں ما قبل کسی قوم کا تذکرہ ہے اس میں ہمارے لیے ضرور کوئی درس عبرت موجود ہے۔ اور اسی تناظر میں یہود کا ذکر آتا ہے، جو کہ اللہ تعالی کی پسندیدہ قوم تھی۔ اللہ تعالی نے بے شمار نعمتوں سے نوازا تھا لیکن اس کے باوجود زوال کا شکار ہوئی۔

۲۔ اس موضوع کی اہمیت کا اندازہ آپ ﷺ کی ایک حدیث سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:
(لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ قَالَ فَمَنْ؟(۲)

ترجمہ: "تم پہلی امتوں کی ضرور بالضرور پیروی کرو گے اور ان کے نقش قدم پر چلو گے۔ یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل

---

(1) سورۃ آل عمران ۳: ۱۳۹

(2) صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل، بخاری، دار السلام ریاض، ۲۰۰۸ء، کتاب الانبیاء، باب ذکر عن بنی اسرائیل، ص ۵۸۲، حدیث نمبر ۳۴۵۶

میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں)، تو فرمایا: اور کون؟

دیکھنا یہ ہے کہ آج امت مسلمہ یہود کے نقش قدم پر چل کر زوال کا شکار تو نہیں ہو رہی۔ اگر ایسا ہے تو پھر کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لیے زوال کے اسباب تلاش کرنا ضروری ہے تاکہ امت مسلمہ کے عروج کو بحال کیا جاسکے جس میں دنیا کے تمام لوگوں کے لیے امن و سلامتی اور ناموسِ انسانیت کی بحالی ہے۔

۳۔ بیان مسئلہ:

قرآن مجید میں محمد ﷺ سے قبل امتوں کا ذکر ہمارے لئے عظیم سبق سموے ہوے ہے جس پر غور و فکر سے ہم اپنے لئے سعادت والی زندگی کا انتخاب کر سکتے ہیں اور ان قوموں کی صفات جمیلہ کو اپنا کر اور صفات سیئہ سے اپنے اپ کو بچا کر کائنات کی امامت حاصل کر سکتے ہیں اور امت مسلمہ بھی اپنے کھوے ہوئے عروج کو حاصل کر سکتی ہے۔

۴۔ سابقہ تحقیقی کام:

ا۔ قوموں کے عروج وزوال کے اسباب قرآن مجید کے تناظر میں، سعید احمد بخاری، پی ایچ ڈی، نمل یونیورسٹی اسلام آباد

مجوزہ کتب:

ا۔ امام ابن قیم کی مشہور تصنیف ھدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیھود والنصاریٰ

۲۔ مسلمانوں کا عروج وزوال سعید احمد اکبر آبادی

۳۔ مسلمانوں کے عروج وزوال کی داستان علامہ عبد الوحید

۴۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی یہود قرآن کی نظر میں اہم کتب ہیں۔

۵۔ تحدید مقالہ:

اس مقالہ میں امت مسلمہ کے عروج وزوال کے اسباب کے ساتھ اٹھارویں صدی تک یہود کے عروج وزوال کے اسباب ذکر کیے جائیں گے اور پھر ان دونوں کے عروج وزوال کے اسباب میں مماثلت بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

۶۔ مقاصد تحقیق:

ا۔ یہود اور امت مسلمہ کے عروج وزوال کے اسباب بیان کرنا

۲۔ دونوں کے عروج وزوال کے اسباب میں مماثلت بیان کرنا

۳۔ زوال سے بچنے کی تدابیر بیان کرنا

۷۔ تحقیقی سوالات:

۱۔یہود اور امت مسلمہ کی مذہبی تاریخ اور تراث کیا ہے؟اور انبیاے کرام کون کون سے ہیں؟

۲۔یہود اور امت مسلمہ کے اسباب عروج اور ان میں مماثلت کیا ہے؟

۳۔یہود اور امت مسلمہ کے اسباب زوال کیا ہیں اور ان میں مماثلت کیا ہے؟

۴۔امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے کے تدابیر کیا ہیں؟

۸۔اسلوب تحقیق:

۱۔اسلوب تحقیق تاریخی، تقابلی اور تجزیاتی ہو گا

۲۔علاوہ ازیں مقالہ ھذا کی ترتیب کے لیے یونیورسٹی کے فارمیٹ کو مد نظر رکھا جائے گا۔

۳۔اصل ماخذ تک رسائی حاصل کی جائے گی۔

۴۔جدید ماخذ سے بھی رہنمائی لی جائے گی۔

ابواب وفصول کا خاکہ:

باب اول: یہود اور امت مسلمہ کی مختصر تاریخ، الہامی کتب اور انبیائے کرام

فصل اول: یہود کی مختصر تاریخ

فصل دوم: امت مسلمہ کی مختصر تاریخ

فصل سوم: الہامی کتب

فصل چہارم: انبیائے کرام

باب دوم: یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ عروج میں مماثلت

فصل اول: یہود کے اسبابِ عروج

فصل دوم: امت مسلمہ کے اسبابِ عروج

فصل سوم: دونوں کے اسبابِ عروج میں مماثلت

باب سوم: یہود اور امت مسلمہ کے اسبابِ زوال میں مماثلت

فصل اول: یہود کے اسبابِ زوال

فصل دوم: امت مسلمہ کے اسبابِ زوال

فصل سوم: دونوں کے اسبابِ زوال میں مماثلت

باب چہارم: امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے کی تدابیر

فصل اول: اتحاد امت اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

فصل دوم: عمل بالشرع اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

فصل سوم: عدل اجتماعی اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

نتائج:

مقالہ ھذا کے آخر میں نتائج مرتب کیے جائیں گے

سفارشات:

نتائج کی روشنی میں سفارشات مرتب کی جائیں گی

فہارس:

۱۔ فہرست آیات قرآن

۲۔ فہرست آیات تورات

۳۔ فہرست احادیث

۴۔ فہرست اصطلاحات

۵۔ فہرست اماکن

۶۔ فہرست اعلام

۷۔ فہرست مصادر و مراجع

باب اول

یہود اور امت مسلمہ کی مختصر تاریخ، الہامی کتب، اور انبیائے کرام

فصل اول: یہود کی مختصر تاریخ
فصل دوم: امت مسلمہ کی مختصر تاریخ
فصل سوم: الہامی کتب
فصل چہارم: انبیائے کرام

فصل اول: یہود کی مختصر تاریخ

لفظ یہود کا لغوی معنی:

اہل لغت نے لفظ یہود کی لغوی تشریح کرتے ہوئے مختلف معانی بیان کیے ہیں ۔

انکا یہ نام توبہ کی وجہ سے:

جیسا کہ مشہور لغوی ابن فارس لکھتے ہیں:

"فاما اليهود فمن هاد يهود، اذا تاب هوداً "[1]

"جہاں تک اسم یہود کا تعلق ہے یہ هاد يهود سے ہے جس کا معنی ہے توبہ کرنا، لوٹنا"۔

اس بات کی تائید قرآن نے بھی کی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ﴾ [2] "ہم تیری طرف توبہ کرتے ہیں"

امام جریر طبری اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"واما الذين هادوا فهم اليهود ومعنى هادوا تابوا"[3]

ترجمہ :ھادوا اس سے مراد یہودی ہیں اور "ھادوا" کا معنی ہے، انھوں نے توبہ کی۔

جب موسی علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو پیچھے قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور جب واپس آئے تو ان کو ملامت کیا، تب انہوں نے رجوع الی اللہ کیا، جس کی وجہ سے ان کا نام یہود پڑ گیا اور یہی بات لسان العرب میں ابن منظور نے یہود کی لغوی تشریح کرتے لکھی ہے:

"الهود، التوبة، هاد، يهودا وتهود، تاب ورجع الى الحق فهو هائد " [4]

ھود بمعنی توبہ کے ہے، جو ھاد یھود و تھود سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اس نے توبہ کی اور حق کی طرف لوٹا ۔

اس بات کی نشاندہی قرآن مجید سے ہوتی ہے جیسا کہ باری تعالی نے فرمایا:

﴿فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُم﴾ [5]

ترجمہ: اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو۔

---

(1) معجم مقائیس الغة، احمد بن فارس، دار الفکر لطباعة والنشر والتوزیع، بیروت لبنان ۱۴۱۰ھ ۶: ۱۸

(2) سورۃ الاعراف ۷:۱۵۶

(3) تفسیر طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، محمد بن جریر الطبری، دار الاحیاء لاالتراث العربی ۱۴۲۱ھ ۱: ۴۱۳

(4) لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، دار الفکر، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ ۳/ ۴۳۹

(5) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۵۴

یہود اور نسبت یہودا:

یا پھر انکا یہ نام یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے یہودا کی طرف نسبت کیوجہ سے پڑا ہے جیسا کہ معجم الوسیط نے لکھا ہے:

" قيل انهم سموا باسم يهوذا احد ابنا يعقوب " ([1])

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ یہ نام یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کے نام سے رکھا گیا ہے۔

امام قرطبی بھی ان ہی دو معانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"والذين (هادوا) معناه صاروا يهوداً - نسبوا الى يهودا وهو اكبر ولد يعقوب عليه السلام--- وقيل سموا بذالك لتوبتعم عن عبادة العجل هاد: تاب والهائد: التائب" ([2])

ترجمہ :ھادوا کا معنی وہ یہودی ہوئے، یہودا کی طرف نسبت ہے جو یعقوب علیہ السلام کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا یہ نام بچھڑے کی عبادت سے رجوع کرنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔ ھاد اس نے توبہ کی، ھائد کا معنی ہے توبہ کرنے والا۔

پطرس بستانی نے محیط المحیط میں اس توجیح کو ترجیح دی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں :

"یہود میں ایک نسل تورات اور تلمود کو ہاتھ میں پکڑ کر جو عبرانیین کے نام سے مشہور ہوئے اور بنی اسرئیل بھی کہلائے یہ نام ان کو بچھڑے کی عبادت سے توبہ کیوجہ یا پھر وہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا سے نسبت کیوجہ سے یہودی کہلائے اور یہی زیادہ راجح ہے۔"([3])

یہود اور تکبر:

اسی طرح یہود کی وجہ تسمیہ کے بارے میں تیسری وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ان میں تکبر پیدا ہو گیا تھا، اور وہ متکبرانہ چال سے چلا کرتے تھے ، جس کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا، جیسا کہ عمران بن حصین کی روایت کردہ حدیث میں ذکر ہوا ہے۔

(أنه أَوْصَى عِنْدَ موتِه اذا مُتُّ فَخَرَجْتُمْ بِي فأَسْرِعُوا المِشْيَ وَلَا تُهَوِّدُوا كَمَا تُهَوِّد) ([4])

ترجمہ: عمران بن حصین نے وصیت کی اپنی موت کے وقت جب میں مر جاوں تو تم میرا جنازہ جلدی لے کر چلنا اور تم متکبرانہ چال نہ چلنا جس طرح وہ چلے۔

([1]) معجم الوسیط، کبار علماء مصر، دار احیاء التراث بیروت، طبع دوم، ۱۹۹۷ء ا: ۹۹۸

([2]) تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابو بکر دار را لاحیاء لا التراث، بیروت ۱۴۰۵ھ، ۱:۷

([3]) محیط المحیط المعلم بطرس البستانی، مکتبہ لبنان بیروت، ۲۰۰۱ء ص ۱۹۴۷

([4]) کتاب غریب الحدیث للقاسم بن سلام، ابو عبید قاسم بن سلام، دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن، ط اولی۔1384ھ 286:4

مطالعہ تورات اور یہود کا ہلنا:

اسی طرح یہود کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہود تورات پڑھتے وقت ہلتے رہتے تھے، اس وجہ سے ان کو یہود کہا گیا ہے۔

یعنی ھاد بمعنی حرک۔ جیسا کہ ابن کثیر نے لکھا ہے۔[1]

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کا نام الہامی نہیں بلکہ وضعی نام ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ [2]

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی مطلب اختیار کرنا کسی بھی چیز کو وہ مرضی سے ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ حدیث میں بھی ہے:

(كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَو يُنَصِّرَانِهِ)([3])

ترجمہ: ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پس اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔

بیان کئے گے تمام معانی میں کوئی خاص فرق نہیں کیوں کے لفظ ھاد کے عربی زبان میں مختلف معانی پائے جاتے ہیں لیکن ان تمام معانی میں میرے ہاں جو زیادہ راجح معنی لگتا ہے وہ ان کی نسبت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی وجہ سے ان کا یہ نام پڑتا ہے۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے اس میں ان کا جو بنیادی نام ہے بنی اسرائیل ہی ہے لیکن بعد میں ان کی نسبت یہودا کی طرف ہونے کی وجہ سے یہودی کہلوانے لگے۔

اصطلاحی تعریف:

یہود کے متعلق کوئی مستقل اصطلاحی تعریف نہیں کی گئی البتہ تاریخی حوالہ سے کچھ نہ کچھ لکھا گیا ہے۔

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا میں "یہودی" عنوان کے تحت لکھا ہے:

"یہ نام سامی النسل لوگوں کو دیا گیا ہے۔ انہیں اسرائیلی اور عبرانی بھی کہا جاتا ہے۔ یہودی لفظ یعقوب علیہ السلام کے فرزند یہودا سے مشتق ہے۔ یہ خود کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں۔"([4])

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے کہ یہودی کی اصطلاح یا تو قدیم سلطنت یہودا کے باشندوں یا یہودا بن یعقوب کی اولاد یا مذہب یہود پر عائل شخص کے لیے مخصوص ہوئی اور بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) کا وسیع تر مفہوم رکھتا ہے اور

([1]) تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، (مولانا محمد جوناگڑھی) مکتبہ اسلامیہ، ۲۰۰۹ء، ۱: ۱۶۵

([2]) سورۃ النساء ۴: ۴۶

([3]) صحیح البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، بخاری، دار السلام ریاض، ط، ثانی ۲۰۰۸ء، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ح: ۱۳۸۵

([4]) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، زاہد حسین انجم، غلام علی اینڈ سنز لاہور، بدون: ۲: ۱۹۲۱

یعقوب علیہ اسلام کے تمام بیٹوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عموماً اس سے مراد موسی علیہ السلام کی شریعت کے ماننے والے ہیں۔ لیکن چونکہ یہودی مذہب کی تعلیمات صرف اولادیعقوب تک محدود رہی اس لیے یہ لفظ ایک نسلی گروہ کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا۔[1]

اور انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں مذکورہ معلومات کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے:

” تمام یہودی اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی ماں سے جنم لینے والا بچہ ہی یہودی ہو سکتا ہے۔ یہودیت میں اصلاحات کے بعد قدامت پسندی سے نکل کر تسلیم کیا گیا کہ اگر اس کے والدین میں سے کوئی بھی یہودی ہو تو وہ یہودی کہلائے گا“[2]

اور انسائیکلوپیڈیا آف ریلجین اینڈ آتھیکس میں یہود کی اصطلاحی تعریف میں ذکر کردہ اقوال کو بطور خلاصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہودیت کی کوئی متعین اور معروف تعریف کرنا مشکل ہے کیوں کے اس ضمن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کم سے کم اور قطعی طور پر کسی چیز کا اطلاق ضروری ہے تاہم یہودیت دو اصول پر مبنی ہے: خدا کی وحدانیت اور بنی اسرائیل کا پسندیدہ اور منتخب امت ہونا یہودیت بت پرستی متعدد خداوں کی پوجا یعنی شرک کو مسترد کرتی ہے اور وہ ایک رب العالمین پر عقیدہ رکھتی ہے۔[3]

مذکورہ اقوال میں اختلاف کی وجہ بھی عین یہود کے لغوی معانی میں اختلاف کی وجہ کی طرح ہے کیوں کہ یہاں پر بھی بعض نے ان کی تعریف مختلف مقامات کی طرف نسبت اور بعض نے اشخاص اور بعض نے دین کی طرف پیروی کی وجہ سے کی۔ اس طرح راقم الحروف کے ہاں یہودا ابن یعقوب کی اولاد یا مذہب یہود پر عامل شخص کے لیے یہود کی اصطلاح زیادہ راجح قول ہے۔ کیوں کے بنی اسرائیل کا لفظ بھی ان کے لیے مستعمل ہے۔

یہود کی مختصر تاریخ:

دنیا کے موجودہ مذاہب میں یہود سب سے زیادہ قدیم ہیں۔ ان کو جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے نسبت رکھنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ مگر ان کے افعال بد اور بد کرداری کی وجہ سے جلیل القدر انبیاء کے پاکیزہ کردار سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کو سب سے پہلے مصر میں یوسف علیہ السلام کی قیادت میں اقتدار ملا لیکن اپنی بد اعمالیوں کے باعث قبطیوں کے غلام بن گئے اور پھر طویل عرصہ کے بعد موسی علیہ السلام ان کو فرعون کی غلامی سے نکال کر سرزمین فلسطین میں داخل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن فلسطین آکر بھی ان کی فطرت نہ بدلی، جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو انھوں نے سامری کی حیلا سازی سے توحید باری تعالی کو چھوڑ کر بچھڑے

---

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۳۸۴ھ: ۲۳: ۳۵۵

[2] انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، ۶: ۵۴۴

[3] انسائیکلوپیڈیا آف ریلجین اینڈ آتھیکس، جیمز آتھیکس 1979ء، ۷: ۵۸۱

کی پوجا شروع کر دی۔ پھر طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے عہد میں ان کو اقتدار سے نوازا گیا جو ان کو راس نہ آیا اور جلد ہی ٹکڑوں میں بٹ گئے اور کفر و شرک کی راہ اپنالی۔ اور اس قدر برے بن بیٹھے کہ قتل انبیاء تک سے باز نہ رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا شکار ہوئے تو کبھی شاہ اشور اور کبھی بخت نصر کے ہاتھوں ان کی تباہی ہوئی۔ بخت نصر نے تویروشلم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہیکل سلیمان مسمار کر دیا اور لاکھوں یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا۔ لیکن اس کے باوجود یہود کا وطیرہ نہ بدلا اور وہ اس قدر مجسم برائی بن چکے تھے کہ انھوں نے حضرت یحیٰ علیہ السلام کو رومیوں کے ہاتھوں شہید کروایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن بن گئے۔

رابرٹ وین ڈی ویئر یہودی مذہب کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہودی مذہب کی ابتداء حضرت ابراہیم علیہ السلام ۱۹۰۰ق م میں اس وقت کی جب انھوں نے اپنے آباؤاجداد کی سرزمین میسوپوٹیمیا([1])(موجودہ عراق) سے نقل مکانی کر کے مغرب کی جانب گئے۔ ان کی اولاد ایک قوم بنی اور انھوں نے بحرہ روم کے کنارے کنعان کی سرزمین کو فتح کر کے ڈیرے جمائے اور یہیں بس گئے۔"([2])

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا جنھوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برس ہا برس لوگوں کو اللہ تعالی کی فرمانبرداری کی دعوت دی پھر اپنے مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں اپنے خلفاء مقرر کیے۔ مشرق اردن میں اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کو اور شام اور فلسطین میں اپنے بیٹے اسحاق کو اور اندرون عرب میں اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو مامور کیا۔([3])

حضرت اسحاق کے فرزند حضرت یعقوب تھے جن کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے موسوم ہوئی۔ اصل دین حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جو ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے وہ اسلام ہی تھا۔ ان انبیاء میں کوئی یہودی نہ تھا۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ کی نسل سے تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب سلطنت دو ٹکڑے ہوئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک بنا جو یہودیوں کے نام سے مشہور ہوئی اور دوسرے قبائل نے اپنی الگ ریاست بنالی۔ جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی اور پھر اسیریا نے نہ

([1]) قدیم عراق تاریخ میں میسوپوٹیمیا کے نام سے مشہور ہے۔ میسوپوٹیمیا دو یونانی الفاظ سے مرکب ہے یہ دو دریاؤں دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ دیکھیے معجم البلدان، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله الرومي الحموي دار صادر بیروت طبع ثانیہ 1995ء ۳: ۳۲۱

([2]) یہودیت، رابرٹ وین ڈی، مترجم ملک اشفاق، بک ہوم لاہور 2009ء ص:۱۱

([3]) یہودیت اور نصرانیت، سید ابو الاعلی مودودی اسلامک پبلیکشنز لیمیٹڈ لاہور 2000ء، ص۱۹

صرف سامریہ کو برباد کیا بلکہ انکا نام ونشان بھی مٹا دیا۔ اس کے بعد یہودا اور بن یامین کی نسل باقی رہ گئی۔ جس پر یہودا کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود اہ کے الفاظ کا اطلاق ہونے لگا اس نسل نے کاہنوں سے اپنے رجحانات وخیالات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ ایک طویل عرصہ میں تیار کیا وہ یہودیت ہے یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیح میں بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی تک بنتا رہا اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی شریت کا بہت تھوڑا عنصر پایا جاتا ہے۔([1])

جوڈیا Jodea قدیم زمانے میں شمال فلسطین کے ایک ملک کا نام تھا، اس علاقے کے باشندوں کو Judeans کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ لفظ (Jew) اسی سے نکلا ہے۔ ڈیوڈ بادشاہ یہودیوں کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اسرائیلیوں کو ایک سلطنت کے تحت متحد کیا اور یروشلم کو اس کا دارالسلطنت بنایا۔ سلیمان کے مرنے کے بعد یہ قوم دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ اسرائیلیوں کی ایک سلطنت جنوب کی طرف قائم ہوئی اور دوسری شمال کی طرف اور یروشلم Juddah والوں کا دارالخلافہ رہا۔ ۵۸۷ق م بن یامین نے یروشلم پر قبضہ کر لیا اور بہت سارے یہودیوں کو نکال دیا۔ ۵۳۸ق م ایرانی بادشاہ نے ان کو جوڈیا واپس آنے کی اجازت دی جوڈیا نے Hosmonean کی سرکردگی میں ۱۰۰ق م آزادی حاصل کی لیکن ۶۳ق م میں یہ ایک رومی صوبے کے ماتحت ہو گئے۔ یہودیوں نے ۶۶ق م اور رومیوں کے خلاف انقلاب برپا کیا جو جوڈیا میں ۱۰ق م میں اختتام پزیر ہو گیا جبکہ رومیوں نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل کو تباہ کر دیا۔'([2])

یروشلم کی تباہی کے بعد بابل ایرانیوں کے ہاتھوں سرنگوں ہوا اور پھر اس کے بعد بنی اسرائیل مختلف حکومتوں کے ماتحت رہے اور پھر یونانیوں کے خلاف جنگ کی اور یہودی حکومت قائم کی۔ حکومت کے مذہب سے دور ہونے کی وجہ سے عوام نے مخالفت کی تو اس وقت حکومت نے رومیوں سے مدد مانگی تو رومی مدد کے بہانے قابض ہو گئے۔ ۱۰ عیسوی میں یروشلم کو مسمار کیا گیا۔

ہم یہود کی تاریخ کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ پہلا حصہ یعقوب علیہ السلام سے لے کر یوشع بن نون کے شام میں فاتحانہ داخلے کے واقعات پر مشتمل ہے۔

2۔ اور دوسرا حصہ شام کی فتح سے لے کر اب تک کے واقعات پر پھیلا ہوا ہے۔([3])

([1]) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۲۳: ۳۵۵

([2]) ورڈ بک انسائیکلوپیڈیا، یو ایس اے، اے ڈی شکاگو، ۱۹۷۹ء ۲: ۱۴۶

([3]) ورڈ بک انسائیکلوپیڈیا، یو ایس اے ۲: ۱۴۶

یہود کی تاریخ یعقوب علیہ اسلام سے شروع ہوتی ہے۔ جس کا پہلا مرحلہ یعقوب علیہ اسلام فلسطین سے مصر منتقل ہوتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مصر میں حکومت عطا فرمائی تو یعقوب علیہ السلام وہاں منتقل ہوگئے اور اپنا مسکن بنایا۔ موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے بنی اسرائیل فرعون کے دور میں مظالم کا شکار ہوئے اور یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر کتاب نازل فرمائی۔ انھوں نے فرعون کو ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔([1])

لیکن جب فرعون نے تکبر کیا اور دعوت کا انکار کیا تو اس وقت اللہ تعالی نے بذریعہ وحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل اپنے ساتھ لے کر مصر سے نکل جانے کا حکم دیا اور اس کے لیے وقت مقرر کر دیا گیا۔ تمام لوگ طے شدہ وقت مقام پر جمع ہو کر ایک قافلہ کی صورت میں روانہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا ادھر سے فرعون ایک لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا ٹھیک اس موقع پر آپہنچا۔ ابھی یہ قافلہ اس قوت ساحل سمندر پہ تھا۔ قرآن مجید کی سورۃ الشعراء میں بتایا کہ مہاجرین کا قافلہ لشکر فرعون اور سمندر کے درمیان پہنچ چکا۔ عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا اپنا عصا سمندر میں مارو تو سمندر فوراً پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں قافلہ کے گزرنے کا راستہ نکل آیا۔ اس راستے سے مہاجر گزر گئے اور پھر پیچھے فرعون اپنے لشکر سمیت اسی راستہ پر چلا لیکن جب درمیان میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو لشکر سمیت سمندر میں غرق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو بچایا اور فرعون کو لشکر سمیت غرق کیا۔([2])

بنی اسرائیل کی مدت اقامت مصر میں عہد نامہ قدیم کے مطابق ۴۳۰ سال ہے۔([3])

یہود فلسطین اور شام سے مصر جا کر تقریباً ۲۰۰۰ ق م میں مصر پر قابض ہوئے۔ مصر میں خانہ جنگی کی وجہ سے ان کو اپنی بادشاہی قائم کرنے کا موقع ملا تو یہود وہاں پر ایک زرخیز علاقہ میں آباد ہو گئے اور تقریباً ۱۵۰۰ ق م کے آخر تک ملک کا اقتدار ان کے ہاتھ میں آگیا۔

اسی کی طرف سورۃ مائدہ کی آیت بھی اشارہ کرتی ہے:

﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا﴾ ([4])

([1]) تاریخ مسعودی مروج الذہب و معاون الجواہر، ابو حسن علی بن حسین، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء: ۱/ ۶۶

([2]) مقارنۃ الادیان، ڈاکٹر احمد شبلی، النھضۃ المصریہ شارع عربی، القاہرہ، ۱۹۸۴ء، ص: ۶۳، سورۃ الشعراء: ۲۶/ ۵۲ تا ۶۶

([3]) کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور، 1956ء، خروج: ۱۲: ۴۰

([4]) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۲۰

ترجمہ :اس احسان کو یاد کریں اس نے تم میں سے انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنادیا۔

لیکن اس کے بعد ملک میں قوم پرستانہ تحریک سامنے آئی اور اس نے اقتدار کا تخت الٹ دیا۔ تو اس وقت اڑھائی لاکھ عمالقہ کو ملک سے نکال دیا۔ نہایت خبطی النسل خاندان بر سرے اقتدار آگیا اور اس نے عمالقہ کے زمانے کی یادگاروں کو مٹادیا اور بنی اسرائیل پر ظلم کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔([1])

سورۃ مائدہ میں اس کا تذکرہ یوں ہے:

﴿قَالُوا يَامُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾([2])

ترجمہ :انھوں نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم وہاں نہیں جاسکتے۔ تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

اس جرم کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کو یہ سزادی کہ وہ ۴۰ سال تک ادھر ہی بھٹکتے رہے۔ جب چالیس سال مکمل ہونے لگے تو حضرت ہارون علیہ السلام وفات پا گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر موآب کے علاقہ میں داخل ہوئے اور اس فتح کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت یوشیع ان کے خلیفہ اول بنے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے وہاں مختلف قومیں آباد تھیں۔ ان اقوام میں بدترین قسم کا شرک پایا جاتا تھا۔ سب سے بڑے معبود کا نام ابل اور اسی کی بیوی عشیرہ تھی۔ اور اس کی اولاد میں بعل تھا۔ جس کو بارش کا خدا اور زمیں وآسمان کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ غرض ان معبودوں کی طرف بڑے ذلیل اعمال منسوب کیے جاتے تھے اور اس طرح اخلاقی لحاظ سے بھی انتہائی پستی میں گری ہوئی تھیں۔ اگرچہ تورات میں ایسے احکام موجود تھے جن کے ذریعے بنی اسرائیل کو ان قوموں کے افعال بد سے روکا گیا تھا لیکن انھوں نے ان ہدایات کو پس پشت ڈال دیا اور قبائلی عصبیت کے باعث یہ پسند کیا۔ اتحاد کے بجائے مفتوحہ علاقوں کا ایک حصہ لے کر الگ ہو جائے۔([3])

تو اس طرح تقریباً بارہ قبائل اس مفتوحہ علاقے میں سکونت پذیر ہوئے۔ وہ قبائل یہ تھے:

بنی یہودا، بنی شمعون، بنی دان، بنی یمین، بنی افریئم، بنی روبن، بنی جد، بنی منسی، بنی اشکار، بنی زبولوت، بنی نفتالی، بنی آشر، لیکن اس تفرقہ بازی کی وجہ سے یہ قبائل کمزور ہو گئے اور مشرکین کے غلبہ کی وجہ سے انھیں مجبوراً ان کے ساتھ رہنا پڑا جس کی وجہ سے ان میں بھی بری عادتیں داخل ہو گئیں۔"([4])

([1]) تفہیم القرآن، سید ابوالاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء: ۲/ ۳۸۱-۳۸۲

([2]) سورۃ المائدۃ: ۵/ ۲۴

([3]) تفہیم القرآن: ۲/ ۵۹۵

([4]) تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمان ابن خلدون، (حکیم احمد حسین آلہ آبادی) نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء: ۱/ ۱۴۷

اس مفتوحہ علاقہ میں مشرکین کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں اور یہ غلبہ اختیار نہ کرنے کی وجہ سے جن قوموں کی شہری ریاستیں انھوں نے چھوڑی تھیں وہ بھی بنی اسرائیل کے خلاف متحد ہو گئیں بالآخر تابوت سکینہ بھی ان سے چھین لیا گیا، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے دو الگ الگ ریاستیں قائم کیں۔

۱: شمالی فلسطین اور مشرق اردن میں سلطنت اسرائیل

۲: جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہود جس کا پائیہ تخت یروشلم رہا۔

لیکن دونوں سلطنتوں میں سخت کشمکش روز اول سے آخر تک رہی۔

حضرت الیاس اور حضرت الیسع (1) نے فحاشی روکنے کی کوشش کی لیکن قوم تنزلی کی جانب بڑھی تو اللہ کے غضب نے ان کو آلیا۔ نویں صدی ق م سارگوں نے سامریہ فتح کر کے سلطنت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا اور اسی طرح سلطنت یہود کے ساتھ ہوا۔ آخر کار ۵۸۷ ق م بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ایک بڑا حملہ کیا اور سلطنت یہودیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔(2)

بابل کی اسیری سے چھوٹنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک:

بخت نصر کے حملہ کے بعد یہودیہ کے باشندوں میں سے جو بچ گئے ان میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خیر کی دعوت دینے والے تھے۔ جنھوں نے لوگوں کو رجوع الی اللہ کی ترغیب دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی بابل کو زوال ہوا۔ ۵۳۹ ق م ایرانی فاتح سائرس نے بابل کو فتح کیا اور اگلے سال بنی اسرائیل کو وطن واپسی کی اجازت دے دی اور ہیکل سلیمانی کی دوبارہ تعمیر کی اجازت بھی مل گئی۔ لیکن ہمسایہ قوموں نے مزاحمت شروع کر دی تو ۵۳۲ ق م سلطنت یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا گیا جس نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کروائی۔ اسی زمانہ میں حضرت عزیر نے دین موسیٰ علیہ السلام کی تجدید کا کام کیا۔ یہودیوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کیا۔ اخلاقی برائیاں ختم کرنے کے لیے قوانین شرعی نافذ کیے تو ۱۵۰ سال بعد بیت المقدس یہودی تہذیب کا مرکز بنا۔(3)

اس کے بعد شام کے فرمانروا انٹیوکس (Intewges) نے ۹۸ ق م فلسطین پر حملہ کر دیا اور اس پر قبضہ جما لیا۔ یہودیوں سے نفرت کی وجہ سے جابرانہ قوت کا استعمال کیا تو یہودیوں میں شدید ردعمل کے نتیجے میں ایک تحریک کا آغاز ہوا جس کو تاریخ میں مکابی بغاوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس تحریک کے نتیجے میں جو پکے یہودی تھے انھوں نے یونانیوں کو نکال کر اپنی آزاد ریاست قائم کی جو ۶۷ ق م تک رہی۔ لیکن خواہشات نفسانی اور دنیا پرستی کی

---

(1) تورات کے مطابق یردن کی وادی میں ایک کسان کا بیٹا تھا۔ اسی طرح یہ نبی تھے اور چار نبیوں کے دور حکومت میں خدمت گار رہے۔ سلاطین ۱۹:۱۹

(2) تفہیم القرآن،:۲/ ۵۹۵

(3) مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص:۸۵

وجہ سے یہ تحریک فنا ہو گئی، اور ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ انھوں نے رومن فاتح جنرل پومپی (Pompy) کو فلسطین پر حملے کی دعوت دی۔ ۶۳ ق م میں اس نے بیت المقدس پر حملہ کر کے یہودیوں کی آزادی ختم کر دی۔

رومن نے ایک دیسی ریاست قائم کی جو کہ ہوشیار یہودی ہیرود اعظم کے قبضہ میں آئی۔ اس نے دونوں طرف لوگوں کو خوش رکھا۔ ۴۱ ق م رومیوں نے ہیرود اعظم کے پوتے کو تمام علاقوں کا فرمانروا بنا دیا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیرکاروں پر ظلم کے پہاڑ گرائے اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کا سر قلم کیا گیا۔ لیکن کسی نے بھی اس ظلم کے خلاف اپنی آواز تک بلند نہ کی یہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا مطالبہ کیا گیا۔([1])

بالآخر رومیوں کے ظلم سے تنگ آکر یہودیوں نے ترک وطن کیا اور یورپ میں جا بسے اور اس کے بعد بہت سے قبائل حجاز کی طرف چلے گئے۔ ایلہ،([2]) مقنا، تبوک، تیمار، وادی القرن، فدک پر انکا تسلط اسی دور میں قائم ہوا بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع بھی اس دور میں آکر یثرب پر قابض ہوئے۔([3])

اور جب نبی علیہ السلام مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو اسلامی ریاست قائم ہوئی اور آپؐ نے میثاق مدینہ قائم کیا اور یہودیوں نے معاہدے کی تمام شروط قبول کیں لیکن بعد میں جب انصار و مہاجرین کو بھائی بھائی بنتے دیکھا تو انھوں نے خطرہ محسوس کیا اور فتنہ انگیزی شروع کر دی اور جب جنگ بدر میں کفار کو شکست ہوئی تو بنی قینقاع نے معاہدہ توڑ دیا اور ایک مسلمان عورت کو بر سرے عام برہنہ کر دیا، اس پر سخت لڑائی ہوئی تو ایک مسلمان اور یہودی قتل ہو گئے۔ نبی ﷺ نے ان کو سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے تو شوال ۲ ھجری کو ان کا محاصرہ کر لیا گیا اور پندرہ دن یہ محاصرہ رہا لیکن عبد اللہ بن ابی ان کی حمایت کے لیے کھڑا ہو گیا تو آپ ﷺ نے ان کو معاف کر دیا اور فیصلہ کیا کہ بنی قینقاع اپنا سارا مال، اسلحہ اور حالات صنعت چھوڑ کر مدینہ سے نکل جائیں([4])

جنگ احد میں مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو ان کی جڑیں اور بھڑ گئیں اور بنی نضیر نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی۔ تو اس وقت آپ ﷺ نے ان کو الٹی میٹم دیا کہ مدینہ سے نکل جاؤ لیکن عبد اللہ بن ابی نے ان سے ۲۰۰ آدمیوں سے مدد کرنے کا وعدہ کیا اور کہا کہ بنی غطفان اور بنی قریظہ بھی تمہاری مدد کو آئیں گے تو اس وقت انھوں نے اس الٹی میٹم کا جواب دیا کہ ہم یہاں سے نہ نکلیں گے اس پر ربیع الاول ۴ ہجری کو آپ علیہ السلام نے ان کا محاصرہ کیا لیکن چند دن بعد مدینہ چھوڑنے پر راضی ہو گئے اور مدینہ چھوڑ کر شام اور خیبر کی طرف نکل گئے۔

([1]) مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا ص:۸۵

([2]) شام کے قریب بحر قلزم کے ساحل پر واقع ایک شہر ہے۔ معجم البلدان، ۱:۲۹۲ اور مقنا ایلہ کے قریب واقع ہے۔ ایضا: ۵:۱۷۶

([3]) الرحیق المختوم، صفی الرحمن مبارکپوری، المکتبہ السلفیہ لاہور، 1995ء ص ۲۴۷

([4]) سیرت ابن ہشام، عبد الملک ابن ھشام الحمیری، مترجم، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۲۰۰۰ء ۲:۷۴، الرحیق المحتوم ص ۳۲۷

نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو خیبر سے باہر نکالا اور اسی وجہ سے انہوں نے سازش سے آپ رضی اللہ عنہ کو قتل کرایا۔ اس کے بعد عہد عثمانی میں بھی صحابہ کرام کے درمیان نفرت پھیلانے والا عبد اللہ بن صبا یہودی تھا۔ اور اس کے بعد خلیفہ المتوکل کے دور تک یہ سماجی، اقتصادی اور تمدنی طور پر آزاد اور خود مختار رہے، عربوں نے ان کو مصر، فلسطین، شام اور ایران کسی جگہ سے بے دخل نہ کیا تو یہ زمینوں کے مالک بنے اور بابل، آرمینیہ، ترکستان، ایران اور یمن میں اپنے اپنے علاقوں میں یہود شہزادوں کی حیثیت رکھتے تھے ۷۶۲ء میں یہود میں فکری انقلاب پیدا ہوا اور اسقف سلیمان کی موت کے بعد اس کے بھتیجے عدنان بن داود نے بغاوت کی اور فلسطین میں اپنا کنیسا قائم کیا اور اعلان کیا کے یہود کے لیے تورات کی پانچ کتابیں کافی ہیں تلمود کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد جب خلافت عباسیہ کا زوال ہوا تو یہود کی متحدہ حثیت ٹوٹ گئی اور مصر، شمالی افریقہ سپین میں جدگانہ حکومتیں قائم ہوئیں تو ان علاقوں کے یہود بھی ایک دوسرے سے کٹ گئے اور ان کی اقتصادی حیثیت بھی کمزور ہوگئی اور صلیبی جنگوں نے بابل کو مصر اور یورپ کے فرقوں سے الگ کر دیا تھا۔ اور ۱۲۵۸ء میں مغلوں کے حملے سے سلطنت عباسیہ کے یہود کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا ایشیا سے نکل کر یورپ کی طرف بھاگے، اور جبکہ اس قبل ۱۱۶۷ء میں جب فاطمی خاندن کی حکومت ختم ہوئی تو اس وقت بھی ان کو سلطان صلاح الدین ایوبی نے ان کو تباہ و برباد کیا۔ ([1])

اس کے بعد ان کا واسطہ عیسائیوں سے رہا لیکن وہ بھی ان سے نفرت کرتے تھے۔ صلیبی جنگوں کے دوران ان کو بہت نقصان ہوا آخر کار انہوں آبادی بڑھانے کو اپنے لیے ضروری سمجھا اور دولت کی تلاش شروع کی لیکن اس کے باوجود مضبوط نہ ہو سکے۔ سولھویں صدی میں جرمنی میں پناہ گزیں ہوئے لیکن ان کی شرارتوں کی وجہ سے وہاں سے بھی ان کو نکال دیا گیا اس کے بعد ولندیزی حکومت نے 1613ء میں ان کو آباد ہونے کی اجازت دی اور 1657 تک یہ ولندیزی شہری بن گئے غرض 1660ء تک ہر جگہ یہودی بستیاں قائم ہو گئیں اور 1753ء میں انہوں نے اپنا سیاسی مقام بہتر بنانے کے لیے برطانوی پارلیمینٹ سے قانون پاس کروایا لیکن عوام کی مخالفت کی وجہ سے ان کو شہریت تو نہ ملی اور دوسری طرف امریکہ میں 1789ء میں ان کو تقریبا دو ہزار سال بعد پورے شہری حقوق حاصل ہوئے۔ لیکن دوبارہ ان کی چالاکیوں کی وجہ سے ان پر حالات تنگ کر دیے گئے تھے الغرض اٹھارویں صدی تک ان کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ بلکہ اٹھارویں صدی میں ان کے خلاف اہل قلم نے آواز بلند کی۔ ۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے اعلان کیا کہ فلسطین میں یہود کا الگ وطن قائم کیا جائے گا۔ اس اعلان کے بعد عرب مسلمانوں پر بے چینی کی کیفیت طاری ہو گئی۔

([1]) یہودیت تاریخ، فطرت اور عزائم، یوسف ظفر، احمد پبلکیشنز لاہور، 2000ء ص ۱۵۳۔۱۸۶

الغرض اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی تو پہلی جنگ عظیم تک خاموشی ہو گئی اور فلسطین ترکی کا حصہ تھا لیکن جنگ کے بعد اتحادیوں نے برطانیہ کی تحویل میں دینے کا اعلان کیا۔ اس سے یہود کو تقویت ملی اور دنیا بر سے یہودیوں اور عربوں کے درمیان صلح کی کوشش کی گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی اور جب دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو بہت سارے یہودی فلسطین منتقل ہوئے تو فلسطین کے حالات دوبارہ خراب ہو گئے۔ یہود نے دہشت گردی کی کاروایاں کیں اور خفیہ فوج بنائی اور ۱۹۴۴ء میں توڑ پھوڑ کی۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں بل پیش ہوا جہاں تقسیم فلسطین کی تجویز منظور ہو گئی جس پر پھر یہود و عربوں کے درمیان حالات بگڑ گئے۔ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین سے اپنا تسلط ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ڈیوڈ بن گوریان اسرائیل کا پہلا وزیر اعظم تھا۔ اس نے اسرائیل کے قیام کا اعلان کیا تو تمام عرب ممالک نے اسرائیل پر قبضہ کر دیا۔ ۱۹۴۹ء تک جنگ جاری رہی۔ برطانیہ اور امریکہ کی مدد سے اسرائیل نے فلسطین کے تین چوتھائی پر قبضہ جمالیا۔([1])

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہود اگرچہ دنیا کے اندر اللہ تعالی کی لاڈلی قوم تھی لیکن اپنے خالق کی نافرمانی کی وجہ سے وہ مقام جو اللہ تعالی نے ان کو دیا وہ چھین گیا اور ان مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے اللہ کے ہاں محبوب کے بجائے مغضوب ٹھہرے۔ اور مذکورہ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی تباہی کی بنیادی وجہ اللہ تعالی اور اس کے رسولوں اور ان کی تعلیمات سے انحراف ہے، اور تاریخ میں جہاں بھی ان کو ان کی چالاکی کی وجہ سے اقتدار ملا وہ بھی دوسری اقوام کے زیر تسلط رہ کر ملا ہے۔

([1]) تقابل ادیان، محمد یوسف خان،، بیت العلوم لاہور، بدون سنہ، ص ۷۷ تا ۸۱

فصل دوم: امت مسلمہ کا مفہوم

امت مسلمہ کا مفہوم:

امت عربی کے لفظ "امۃ" سے ہے اور اس کی جمع امھات آتی ہے۔

ابن فارس فرماتے ہیں:

"الهمزة والميم فاصل واحد يتفرع منه اربعة ابوب وهى الاصل،والمرجع الجماعة،والدين وهذه الاربعة المتقاربة"([1])

ترجمہ: ہمزہ اور میم حروف اصلی ہیں اور اس سے چار ابواب نکلتے ہیں، اصل،(base)،بنیاد)،لوٹنے کی جگہ، گروہ، مذہب۔ اور اسی طرح امۃ کے اور بھی معانی آتے ہیں۔

بمعنی، امامت، لوگوں کو خیر کی تعلیم دینا، انبیاء کی اتباع، علماء کی جماعت۔([2])

امت سے مراد وہ گروہ یا قوم جو کسی پیغمبر کے پیرو ہو۔([3])

امت دین اور طریقہ کے معنی میں بھی مستعمل ہے:

جیسا کہ ارشاد باری تعالی

﴿:إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ﴾([4])

بیشک ہم نے اپنے اباءواجداد کو ایک دین پر پایا۔

امت جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے:

جیسا کہ ارشاد باری تعالی:﴿ولتکن منکم امة يدعون الى الخير-﴾([5])

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ہو جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اور اسی طرح امت مدت کے معنی میں بھی آتی ہے:

فرمان باری تعالیٰ:﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ﴾([6])

([1]) معجم مقائیس اللغہ:۱/۲۱

([2]) لسان العرب:۱/۱۳۲-۱۳۵

([3]) قائد اللغات، ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، ایم آر برادرز ایجوکیشنز، لاہور ص:۸۷۲

([4]) سورۃ الزخرف:۴۳/۲۲

([5]) سورۃ آل عمران:۳/۱۰۴

([6]) سورۃ یوسف:۱۲/۴۵

اور کہا اس نے جو دونوں قیدیوں میں سے رہا ہوا تھا اسے مدت کے بعد یاد آ گیا میں اس کی تعبیر بتلادوں گا مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔

اور امت پیشوا اور قائد کے معنی میں بھی آتی ہے:

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ [1]

امت کی اصطلاحی تعریف:

امت کی صطلاحی تعریفات میں سب سے جامع تعریف:

"الامة جماعة كبيرة من الناس ينتمون الى دين لهم تاريخ مشترك وتجمعهم مصالح كبرى، ولهم حضارة امتدت حقبة من الدهر-" [2]

قرآن کریم میں نبی علیہ السلام کی امت سے قبل امتوں کو بھی مسلم کہا گیا ہے۔ جس سے عقیدہ ابھرا کہ اسلام ہمیشہ رہا اور ہمیشہ رہے گا اور تمام انبیاء نے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن جب ان امتوں نے اسلام کی اصلی تعلیمات کو ترک کر دیا تو وہ اس لقب کی مستحق نہ رہیں۔ پھر آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو پھر یہ لقب ان کی امت کے لیے مخصوص ہو گیا۔ جو نبی علیہ السلام کی تعلیمات کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرتی ہے اور مسلم کا لقب قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس امت کے لیے مخصوص کیا تھا۔ [3]

تو اس لیے میرا اس مقالہ میں "امت مسلمہ" سے مراد نبی آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے۔

مسلمہ کا مفہوم:

مسلم! اسلام رکھنے والا، جس کا عقیدہ اسلام پر ہو اور امت مسلمہ سے مراد اسلام رکھنے والی۔ [4]

اسلام: مادہ (س، ل، م) سے ہے۔ باب افعال ہے۔

اسلام کے لغوی معنی لسان العرب میں کچھ یوں ہیں:

"معنى الخلوص والتعرى من الافات الظاهرةوالباطنة-" [5]

"ظاہری اور باطنی آفات اور عیوب سے پاک، خالص اور محفوظ ہونا۔"

اور اسی طرح صلح اور امان، اطاعت و فرمانبرداری، امن و سلامتی، صلح واحسان، سلامتی و آشتی، سپردگی و حوالگی، گردن

---

(1) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۰

(2) الامۃ الاسلامیہ، عبد الوھاب، عصام الزیدان، بحث الجامعہ الاسلامیہ المدینہ المنورۃ، طبع ۲۰۱۳ء، ص: ۱۴

(3) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴۲:۳، ۴۱

(4) فیروز اللغات (اردو جامع)، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز لیمیٹڈ لاہور ۱۹۶۸ء ص: ۱۰۸۷

(5) لسان العرب، ۱۲: ۲۹۴

جھکانا۔

باب افعال سے اسلام کے کچھ معانی ہیں:

۱۔ خود امن و سلامتی پانا اور دوسروں کو امن و سلامی دینا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ﴾(1)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے ان لوگوں کو جو رضا الٰہی کے متلاشی ہیں سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں۔

۲۔ دوسرا معنی۔ ماننا، تسلیم کرنا اور فرنبر داری اختیار کرنا۔(2)

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾(3)

ترجمہ: جب ان سے ان کے رب نے فرمایا کہ اطاعت اختیار کرو انھوں نے عرض کیا کہ میں نے جہانوں کے رب کی اطاعت اختیار کی۔

۳۔ تیسرا معنی صلح و آشتی کا پانا:

صلح کے لیے سَلْمُ یا سِلْمُ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔(4)

۴۔ عربی زبان میں اونچے درخت کو "سلام" کہا جاتا ہے اور سیڑھی کو "سُلم" کہتے ہیں تو سیڑھی لوگوں کی دسترس سے باہر ہوتی ہے اس اعتبار سے لفظ اسلام میں بلندی کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہ عظمت اور بلندی کسی اور مذہب کے حصے میں نہیں آئی۔(5)

۵۔ "سلم" اور "سلام" سخت پتھر کو بھی کہتے ہیں۔ لہٰذا وہ نرمی کی صفت سے محفوظ (سالم) ہوتا ہے گویا مسلمان کا عقیدہ اور موقف بھی پتھر کی طرح سخت ہوتا ہے اور قرآن میں "السلام" اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ جس کے معانی خود اپنی ذات میں سلامت اور دوسروں کو سلامتی دینے والا۔(6)

---

(1) سورۃ المائدۃ:۵/۱۶

(2) دینیات، ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء، ص:۱۰

(3) سورۃ البقرۃ:۲/۱۳۱

(4) تعلیمات اسلام، ڈاکٹر طاہر القادری، ادارہ منہاج القرآن، بدون سنہ ص:۳۴، نیز دیکھئے سورۃ البقرۃ ۲/۲۰۸، سورۃ محمد:۴۷/۳۵

(5) تعلیمات اسلام، ص:۳۴

(6) اسلامی تعلیمات، قدر آفاقی، پولیمز پبلشرز لاہور، بدون سنہ، ص:۷۲

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

(المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده)۔([1])

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

٦۔ لڑائی جھگڑے سے سلامتی اور حفاظت اور ہر قسم کے الزمات سے بری باہمی محبت اور اخلاق سے رہنا۔([2])

اسلام کی اصطلاحی تعریف:

سید شریف جرجانی اسلام کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"الإسلام: الخضوع والإ نقياد لمااخبر به الرسول-"([3])

"اسلام اُن سب باتوں کو ماننا اور سر تسلیم خم کرنا جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔"

ابن منظور لسان العرب میں اسلام کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"اظهار الخضوع واظهار الشريعة والإلتزام لمااتى بهالنبى صلى الله عليه وسلم وبذالک يحقن الدم ويترفع المكروه-"([4])

"اظہار اطاعت اور اظہار شریعت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک ہے۔ اسی لیے مسلمان کے خون کی حفاظت کرتا ہے اور اس سے تکلیف کو دور کرتا ہے۔

امت مسلمہ کی مختصر تاریخ:

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ امت مسلمہ کی طرف مبعوث ہونے والے آخری نبی اور رسول ہیں کی پیدائش سے وصال تک کا عہد دو ادوار پر مشتمل ہے جسے مکی دور اور مدنی دور کہا جاتا ہے۔

مکی دور:

اُمت مسلمہ جس کو امت محمدیہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے آخری مسلم امت ہے جس کا آغاز اس دن ہو چکا تھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا تھا۔

اکثر مورخین کے نزدیک ٦١٠ء مکہ میں غار حرا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی الٰہی آئی اور تقریباً دو سال تک آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کو اپنی زوجہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ اور ان کے چچا

([1]) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ، ح١٠، ص:٥

([2]) اسلامی تعلیمات ص ٢٧

([3]) کتاب التعریفات، سید شریف محمد بن علی جرجانی، المنشا بجمالیہ مصر، طبع اولی، ١٣٠٦ھ، ص:١٠

([4]) لسان العرب، ١٢/ ٢٩٤

زاد بھائی ورقہ بن نوفل تک ہی محدود رکھا۔ لیکن تقریباً دو سال کے بعد آپ علیہ السلام نے دعوت کا آغاز کیا تو بتدریج لوگ ایمان لانے لگے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عثمان بن عفان رضوان اللہ علیھم اجمعین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام زید بن حارثہ کو آپؐ پر اتنا بھروسا تھا کہ فوراً ایمان لے آئے۔ الغرض یہ جو خفیہ دعوت تھی اس میں تقریباً چالیس آدمیوں نے اسلام قبول کیا جن میں مذکورہ شخصیات کے علاوہ حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن وقاص، حضرت طلحہ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو عبیدہ رضوان اللہ علیھم اجمعین جنھوں نے قبولیت اسلام کے بعد بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔([1])

اعلانیہ تبلیغ:

تین سال تک خاموشی سے تبلیغ کرنے کے بعد نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعلانیہ دعوت کا آغاز کیا۔ ایک دن کوہ صفا پر کھڑے ہو کر مکہ کے تمام لوگوں سے پوچھا تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ سب لوگوں نے کہا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچے انسان ہیں۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جھوٹی بات نہیں سنی۔([2])

تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: اگر ایسا ہے تو میری بات مانو اور ایک اللہ پر ایمان لاؤ اور بت پرستی چھوڑ دو۔"([3])

اس پر ابو لہب نے کہا، تو سارے دن غارت ہو تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔

تو یہاں پر نبی ﷺ نے اپنی شخصیت کو ان کے سامنے پیش کیا جس کا اعتراف انہوں نے خود اپنی زبان سے کیا لیکن نبی علیہ السلام کی یہ دعوت ان کو ناگوار گزری تو سچا ماننے کے باوجود بات ماننے سے انکار کر دیا۔

اس کے بعد جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا تو کافروں نے نبی علیہ السلام اور آپ علیہ السلام کے ماننے والوں پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ غلام اور لونڈیاں ظلم تو برداشت کرتی رہیں لیکن اسلام سے نہ پھریں۔ جن میں حضرت بلال حبشی اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے نام بہت مشہور ہیں اور جب ظلم مزید بڑھ گیا تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے نبی علیہ السلام کی ہدایت پر حبشہ کی طرف ہجرت کی۔([4])

تو اس طرح مکہ میں نبی ﷺ نے مشکل سے مشکل حالات کا بڑی ہمت سے سامنا کیا اور اللہ تعالیٰ کی دعوت لوگوں

([1]) سیرت النبی، شبلی نعمانی، المیزان ناشران و تاجران، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۱۳۰۔

([2]) تاریخ ابو الفداء ابو الفداء اسماعیل بن علی بن محمود، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۴ء ص:۱۱۷

([3]) ایضا ص ۱۱۷

([4]) زاد المعاد، ابو عبد اللہ شمس الدین ابن القیم، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۰ء، ۱/ ۲۴، رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۲۰۰۰ء ص ۵

تک پہنچائی تو اس طرح نبوت کے تیرہ سال آپ ﷺ نے مکہ کی سرزمین پر گزارے۔

مدنی دور:

ہجرت مدینہ:

جب مکہ کی سرزمین پر مسلمانوں پر ظلم وجبر حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو ہجرت مدینہ کا حکم دیا۔ مدینہ میں بت پرستوں کے علاوہ یہودی بھی آباد تھے جو کہ ایک نبی کا انتظار کر رہے تھے۔ جب ان کو مکہ میں ایک شخص کی نبوت کے دعوے کی اطلاع ملی تو انھوں نے تصدیق کے لیے ایک وفد کو مکہ بھیجا۔ اس وفد نے نبی علیہ السلام سے ملاقات کی اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اب مدینہ کے ان مسلمانوں نے صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں نبی علیہ السلام کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ یہ عہد تاریخ میں بیعت عقبہ اول اور بیعت عقبہ ثانی کے نام سے جانی گئی۔([1])

اور جب مسلمانوں کی اکثریت مدینہ طیبہ چلی گئی تب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ علیہ السلام کو بھی ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی خبر مدینہ والوں کو پہلے سے ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ آپ علیہ السلام کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے اور جب آپ علیہ السلام مدینہ پہنچے تو لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ عورتیں آپ کو دیکھنے کے لیے گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئیں اور چھوٹی بچیوں نے گیت گا کر آپ علیہ السلام کا خیر مقدم کیا۔ مدینہ جو اب تک یثرت کہلاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد مدینۃ الرسول کے نام سے موسوم کیا جانے لگا۔([2])

اس کے بعد وہ مسلمان جو ہجرت حبشہ کر گئے تھے وہ بھی مدینہ آگئے اور مدینہ اب دارالسلام بن چکا تھا۔

مدینہ تشریف آوری کے بعد نبی علیہ السلام نے مسجد کا قیام کیا۔ جس میں مسلمانوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور مسلمانوں اور دیگر لوگوں کے جھگڑے ان کا فیصلہ مسجد میں ہونے لگا۔ آذان دینے کا طریقہ بھی مدینہ میں آکر ہی شروع ہوا۔ اور اس طرح مہاجرین اور انصار میں ''اخوت'' یعنی بھائی چارہ قائم کیا۔ مکہ سے جو مسلمان آئے انھیں ''مہاجر'' اور مدینہ میں رہنے والوں کو انصار کا نام دیا گیا تو اس طرح مدینہ میں اسلام کی یہ مضبوطی مکہ کے کافروں پر بڑی گراں گزری تو انھوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے تین مرتبہ مدینہ پر چڑھائی کی لیکن ناکام رہے۔"([3])

جب نبی ﷺ مدینہ میں میں تشریف لائے تو کفار مکہ یہاں پر بھی آپ ﷺ کی دعوت کو روکنے کے لیے پہنچ آئے

([1]) سیرت ابن ہشام، ا: ۲۰۷ رحمۃ العالمین، ص ۵

([2]) الرحیق المختوم ص ۲۲۴

([3]) ایضا، ص: ۲۲۶ تا ۲۳۵،

اور اس ضمن میں کفار مکہ کے ساتھ تین بڑے معرکے ہوئے۔

غزوہ بدر 2 ہجری:

بدر کے میدان میں رمضان ۲ ہجری میں بڑی جنگ ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح نصیب فرمائی۔([1])

غزوہ احد 3 ہجری:

بدر کا بدلہ لینے کے لیے مکہ کے کافروں نے شوال ۳ ہجری میں احد کے میدان میں جنگ لڑی۔([2])

غزوہ خندق (احزاب) 5 ہجری:

یہ تیسری مرتبہ کافروں کی طرف سے مدینہ پر چڑھائی تھی جس میں اللہ نے ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست دی۔([3])

غزوہ احزاب کے بعد نبی علیہ السلام نے حج کا ارادہ فرمایا۔ عرب حج کے دنوں میں لڑائیاں نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ کافر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ نبی علیہ السلام نے مکہ والوں کو یقین دلایا کہ ہم لڑنے نہیں بلکہ صلح کرنے آئے ہیں۔ لیکن کفار نے مسلمانوں کو حج نہیں کرنے دیا۔ آخر کار مکہ کے کفار اور مسلمانوں کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا جس میں کہا گیا۔

مسلمان اس سال واپس چلے جائیں گے اگلے سال حج کے لیے آئیں گے۔ اس معاہدہ کی بعض شروط مسلمانوں کے لیے بظاہر نقصان دہ تھیں۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امن و صلح کی خاطر یہ شرطیں قبول کیں۔([4])

صلح حدیبیہ کے بعد نبی علیہ السلام نے دعوت اسلام کی مشن کو مزید بڑھاتے ہوئے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان امراء اور بادشاہوں میں نجاشی شاہ حبش، مقوقس شاہ مصر، شاہ فارس خسرپرویز، قیصر شاہ روم اور دیگر بہت سارے لوگ شامل تھے۔([5])

اور اس کے ساتھ خیبر کی فتح کا واقع محرم ۷ ہجری کو پیش آیا جس میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی اور اس کے بعد اگلے

([1]) الرحیق المختوم ص۲۷۹

([2]) ایضاص۳۳۸

([3]) ایضاص۴۰۹

([4]) سیرت ابن ہشام،:۱/۱۶۱

([5]) الرحیق المختوم، ص ۴۷۶

سال مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معرکہ موتہ ہوتا ہے جو کہ جمای الثانی ۸ ہجری بمطابق ۶۲۹ء کو پیش آیا۔([1])

غرض ان مسلسل کامیابیوں کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی۔ تو نبی علیہ السلام دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ مکہ فتح کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور بغیر جنگ کے مکہ فتح ہو گیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کو بتوں سے صاف کیا۔

تاریخ اتنی پر امن فتح کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جانی دشمنوں کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا حتی کہ اس شخص کو معاف کر دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا تھا اور ابو سفیان اور اس کی بیوی ہندہ کو بھی معاف کر دیا۔ آپ علیہ السلام کے اس حسن اخلاق کا نتیجہ یہ نکلا کہ قریش کے سردار ابو سفیان اور اس کی بیوی ہندہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر نبی علیہ السلام مکہ میں کچھ دن رہنے کے بعد دوبارہ مدینہ واپس آ گئے کیونکہ مدینہ کے انصار سے آپ کا عہد تھا کہ وہ ان کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ تاریخ اسلام میں فتح مکہ کی بڑی اہمیت ہے۔

حجۃ الوداع:

فتح مکہ کے دو سال بعد ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ پورے عرب سے مسلمان مدینہ پہنچنا شروع ہوئے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کی سعادت حاصل کر سکیں۔ اور یوں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں نے آپ کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کی۔

خطبہ حجۃ الوداع:

چوں کے یہ مسلمانوں کا ایک اہم اور عظیم اجتماع تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کے احکامات پر مشتمل ایک عظیم اور تاریخی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ:

" آج عہد جاہلیت کے تمام دستور اور طور طریقے ختم کر دیئے گئے ہیں۔ خدا ایک ہے اور تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور سب برابر ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کالے کو گورے پر اور گورے کو گالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر کسی کو فضیلت ہے تو نیک کام کی وجہ سے ہے۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور انتقام کے طریقوں اور سودی کاروبار کو سختی سے منع کیا۔ عورتوں اور غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی اور مسلمانوں کو ہدایت کی کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑے رہیں تاکہ گمراہ نہ ہوں۔ اور آخر میں فرمایا: "تم سے اللہ تعالیٰ کے ہاں میری نسبت پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے ؟" تمام مسلمانوں نے ایک زبان ہو

([1]) سیرت ابن ہشام، ۱:/۱۶۸

کر کہا: "ہم کہیں گے کہ آپ صلی علیہ وسلم نے خدا کا پیغام ہم تک پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا: "اے خدا گواہ رہنا، گواہ رہنا، گواہ رہنا۔"([1])

اور یہ وہی وقت تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین اور اتمام نعمت کا اعلان کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی:

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا" ([2])

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کا انتخاب کر لیا۔

یہی مکہ تھا جہاں کے باشندے تیئس سال قبل آپ علیہ السلام کی جان کے دشمن تھے تو وہی آج جان قربان کرنے کے لیے تیار تھے اور جو عرب ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے آج وہ ایک دوسرے کے بھائی بن گئے اور ایک وقت تھا کہ ہر طرف بدامنی، قتل وغارت اور لوٹ مار عام تھی تو آج امن کی فضا قائم ہو گئی اور بت پرستی اور وطن پرستی کی جگہ انسانی اخوت نے لے لی۔ اس "نئی ملت اسلامیہ" کی مثال دنیا کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔"([3])

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے بعد مدینہ میں تشریف لے آئے اور تقریباً تین ماہ بعد حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہ میں ایام بیماری میں تھے کہ آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ ہجرت کا گیارواں سال تھا ربیع الاول کی ۱۲ تاریخ تھی اور پیر کا دن تھا۔ آپ کی عمر اس وقت ۶۳ سال تھی۔

خلافت راشدہ:

حضور اکرم ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے دو سال حکومت کی کئی قبائل مرتد اور باغی ہو گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بغاوت پر قابو پانے اور قبیلوں کو متحد کرنے میں کامیاب ہو گئے اور عرب سرحدوں سے باہر فوج بھیجی اسامہ بن زید کے لشکر کو رومیوں کی طرف بھیجا اور لشکر اسامہ کو فتح نصیب ہوئی۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ (44-634ء) خلیفہ بنے اور آپ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مسلمانوں نے حیرت انگیز فتوحات کی انہوں نے 635ء میں اردن فتح کیا اور 636ء رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دی۔ 637ء میں بیت المقدس کی فتح حاصل ہوئی اور 641 تک فارس، شام، فلسطین اور مصر کو فتح کیا اور 643ء میں طرابلس فتح کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عراق، الجزیرہ، آرمینیا، آزر بائجان، کرمان، خراسان، ہرات، ہمدان، ویلم، رے، طرستان، سیتان، فارس اور مکران اسلامی حکومت کا حصہ بن گئے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

([1]) سیرت ابن ہشام، ۱/۱۶۸

([2]) سورۃ المائدۃ: ۵/۳

([3]) سیرت النبی، ص: ۲۴۴

کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے آپکا دور (661-644ء) ہے جس میں فتوحات کا یہ سلسلہ جاری رہا اور مسلمانوں نے شمالی افریقہ کے کئی علاقے فتح کر لیے مسلمان افواج ایشیا کے پار پہنچ گئیں اس دور میں قبرس، تونس، لیبیا، خوارزم، افغانستان، غزنی، بلخ، سمرقند، بخارا اور طخارستان فتح ہوئے بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں فوجیں ماوراالنہر اور چین تک جا پہنچیں۔

1192ء میں شہاب الدین غوری نے دہلی پر قبضہ کر کے ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کی، 1526ء میں بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی یورپ میں 17 لاکھ 3 ہزار مربع میل کلومیٹر علاقہ پر حکمران تھے۔ غرض ساتویں صدی سے لے کر اٹھارویں صدی تک تقریباً گیارہ سو سال تک مسلمان دنیا کی سپر پاور تھے کبھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کبھی بنی امیہ، کبھی بنو عباس، کبھی صلاالدین ایوبی، کبھی مغلوں اور کبھی ترکوں کی شکل میں۔([1])

الغرض امت مسلمہ کا ماضی امت کے عروج کی سچی داستان ہے اور اس امت کے سائے میں دنیا کی اقوام بستی رہی ہیں اور قرون اولی میں امت کے افراد کی ترقی کی سب سے بڑی وجہ ان میں وہ اسوہ موجود تھا جو ان کو نبی کریم ﷺ نے دیا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہی امت جس کا مقابلہ کرنے سے دنیا کی بڑی بڑی قومیں ڈرتی تھیں آج اس امت کی یہ حالت ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں وہ محفوظ زندگی گزارنے سے بھی قاصر ہیں۔

([1]) مسلمانوں کا سیاسی عروج و زوال، کیرن آرم سٹرانگ، (محمد احسن بٹ)، آصف جاوید نگارشات لاہور ۲۰۰۰ء ص ۵۵ تا ۱۰۵

فصل سوم: الہامی کتب

دنیا عالم میں مذاہب کی دو قسمیں ہیں ، الہامی مذاہب اور غیر الہامی مذاہب۔الہامی مذاہب میں یہودیت،عیسایت اور اسلام ہیں۔

یہودیت: یہودیت توحیدی اور ابراہیمی ادیان میں سے ایک دین ہے اور یہودیت کی الہامی کتاب تورات ہے جسے عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے۔تورات نہ صرف یہودیت میں اہمیت کی حامل ہے بلکہ مسحیت اور اسلام میں بھی آسمانی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔

بنیادی طور پر یہود کا دینی ادب کتاب مقدس ہے اور کتاب مقدس کو بائبل کہا جاتا ہے۔

بائبل: یونانی لفظ (τὰ βιβλία) انگریزی میں (Bible) کہتے ہیں بمعنی کتب۔([1])

بائبل کے لیے مترادف اصطلاحات کتاب مقدس،نوشتہ یاصحیفہ کے ہیں جنہیں نئے عہد نامہ میں مکمل اور پرانے عہد نامہ یااس کے کسی حصہ کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا گیاہے۔([2])

بائبل کے دو بڑے حصے ہیں:

پہلا حصہ: عہد نامہ قدیم یاعتیق(OldTestament)

دوسرا حصہ: نیاعہد نامہ یاعہد جدید۔(New testament)

عہد نامہ قدیم یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے نزدیک مقدس اور الہامی کتاب ہے۔یہودی عبرانی بائبل یا عبرانی صحائف کومانتے ہیں اور عیسائی عہد نامہ جدید کومانتے ہیں۔([3])

گویاعہد عتیق "خدااور اس کی منتخب قوم یہود کے درمیان" اور عہد جدید "خدااور بنی اسرائیل" اور عیسائیوں کے بقول عام انسانیت سے خدا کے میثاق عہد، قانون اور شریعت کو کہاجاتا ہے یعنی وہ عہد اور قانون جو اس نے اپنے انبیاء کی معرفت بنی اسرائیل یاانسان پہ عائد کیا۔([4])

موجودہ یہود کا دینی سرمایہ دو کتابوں پر مشتمل ہے 1: عہد نامہ قدیم Old Testament)

2۔ تلمود(Talmud)

([1]) The Bible:the making and impct on the Bible a history,stephen robert,England lion Hudson,p,21

([2]) قاموس الکتاب، ایف ایس خیر اللہ، مسیحی کتب خانہ، فیروز پور روڈ لاہور، ۱۹۹۳ء ص ۱۲۱

([3]) Encyclopedia Americana vol:3,p.612inernational Edtion,1984

([4]) عیسائیت تجزیہ و مطالعہ از ساجد میر، دارالسلام لاہور، 2006ء، ص:۲۱۱

عہد نامہ قدیم میں پانچ کتابیں جن کو خمسہ موسوی کہتے ہیں جو کہ پیدائش، خروج، احبار، گنتی، استثناء ہیں۔ اور اس کے علاوہ اس میں ۳۴ کتابیں ہیں۔ تو کل تعداد ۳۹ ہے۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

(انبیاء متقدمین کی چھ کتابیں ہیں:

۱۔ یشوع ۲۔ قضاۃ ۳۔ سموئیل اول ۴۔ سموئیل دوم ۵۔ سلاطین اول ۶۔ سلاطین دوم([1])

انبیاء متاخرین کی تین کتابیں ہیں:

۱۔ لیسعیہ ۲۔ یرمیاہ ۳۔ حزقیل([2])

چھوٹے انبیا کی بارہ کتابیں ہیں:

۱۔ ہیوسیع، ۲۔ یوایل ۳۔ عاموس ۴۔ عبدیاہ ۵۔ یوناہ ۶۔ میکاہ ۷۔ ناحوم ۸۔ حبقوق ۹۔ صفانیا ۱۰۔ حجی ۱۱۔ ذکریا ۱۲۔ ملاکی([3])

متفرق کتابیں: ۱۔ زبور (مزامیہ) ۲۔ امثال ۳۔ ایوب ([4])

شاعری کے پانچ مجموعے:

۱۔ غزل الغزلات ۲۔ روت ۳۔ نوحہ ۴۔ واعظ ۵۔ آستر ۶۔ دانیال ۷۔ عزرا ۸۔ نحمیاہ ۹۔ تواریخ اول ۱۰۔ تواریخ دوم([5])

رحمت اللہ کیرانوی عہد نامہ عتیق کی کتب کی تعداد کے متعلق لکھتے ہیں:

"اما القسم الاول (من العهد العتيق فثمانی وثلاثون كتابا"([6])

ترجمہ: عہد نامہ عتیق کی پہلی قسم کی ۳۸ کتابیں ہیں۔

بائبل کا دوسرا حصہ عہد نامہ جدید چار اناجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرف منسوب خطوط وشکایات پر مشتمل ہے۔

عہد نامہ قدیم خدا کا اسرائیل سے عہد تھا۔ حضرت عیسیٰ کی بعثت کے بعد خدا نے ان کی معرفت نیا عہد کیا جو عہد نامہ

([1]) قاموس الکتاب، ص: ۱۲۲

([2]) ایضاص ۱۲۲

([3]) ایضا، ص ۱۲۲

([4]) ایضاص ۱۲۲

([5]) Tha encyclopedia of amerciaana vol,1:352

([6]) اظہار الحق، محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمن کیرانوی، الرئاسہ العامہ لإدارات البحوث العلمیہ والإلفتاء الدعوہ والإرشاد السعودیہ، طبع اولی، ۱۴۱۰ھ، ۱/ ۹۹

جدید ہے۔([1])

یہود کی بائبل کا زیادہ تر حصہ عبرانی زبان میں ہے جبکہ بہت کم حصہ آرامی زبان میں ہے۔یہود کی تسلیم شدہ مذہبی کتب عبرانی بائبل کی ۳۹کتابیں ہوئی۔

عیسائی عہد نامہ قدیم کی تقسیم کچھ یوں کرتے ہیں:

۱۔تورات کی پانچ کتابیں:

۱۔پیدائش(Genesis)

۲۔خروج(Exodus)

۳۔احبار(Leviticos)

۴۔گنتی(Numbers)

۵۔استثناء(Deuteronomy)

تورات:

تورات عبرانی لفظ ہے۔ جس کے معانی شریعت کی تعلیم، وحی یا فرشتہ کے ہیں اور اس سے مراد صحائف خمسہ یعنی تمام یہودی تعلیم مراد ہے۔اور یہ لفظ جس مادہ سے ماخوذ ہے اس کا مفہوم ہے پھینکنا، ڈالنا اور اس کا ایک معنی راستہ دیکھاناہدایت کرنایا تعلیم دینا بھی ہے جیسا کہ علماء نے تورات کے معانی بیان فرمائے ہیں۔

امام راغب اصفہانی نے مفرادات میں:

"تورات کے معانی شریعت کی تعلیم، وحی یا فرشتہ اور صحائف خمسہ یعنی تمام یہودی تعلیم مراد لیے ہیں"۔([2])

اور عہد قدیم میں لفظ تورات راستہ دیکھاناہدایت کرنایا تعلیم دیناکے معانی میں مستعمل ہے ([3])

اور اہل عرب کے ہاں تورات وریٰ سے ہے۔اور اس لفظ کا معنی ہے پھینکنا یاڈالنااسی سے اس کا مفہوم قرعے کے ذریعے سے منکشف ہونے والا غیبی خواب استخارہ ہو گیا۔([4])

اصطلاح میں تورات پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔یہ یہود کی الہامی کتاب ہے جو عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی اور عموماًتورات سے مراد بائبل کے عہد نامہ قدیم کی ابتدائی پانچ کتابیں لی جاتی ہیں لیکن حقیقت میں

([1]) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۱/ ۳۲۵

([2]) مفرادت القرآن، امام راغب اصفہانی، شیخ شمس الحق لاہور 1987ء ص: ۴۷۲

([3]) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، ۲۲/ ۸۷

([4]) Dictionary of theBible, p,498

تورات بائبل کی پانچ کتابوں کا نام نہیں بلکہ وہ ان پانچ کتابوں میں شامل ہے۔([1])

سید مودودیؒ فرماتے ہیں:

"تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے۔ ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کی لوحوں پر کندہ کر کے انھیں دیئے تھے۔ باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھوا کر اس کی نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے سپرد کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام تورات تھا۔([2])

تورات سے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُور"([3])

ترجمہ: بشک ہم نے تورات نازل کی اور اس میں ھدایت اور نور ہے۔

اور یہود کے ہاں پانچ کتابوں کا مجموعہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ عربی میں سفر سے مراد صحیفہ یا کتاب کے ہیں اور اسفار سفر کی جمع ہے۔([4])

اور وہ پانچ کتابیں یہ ہیں:

۱۔ کتاب پیدائش:

آٹھویں صدی ق م میں تحریری شکل میں آئی۔ اس میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک کے حالات مذکور ہیں۔ اس کے ۱۵۰ ابواب ہیں۔([5])

۲۔ کتاب خروج (سفر الخروج)

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق واقعات بالتفصیل مذکور ہیں یعنی ان کی پیدائش سے لے کر ان کی دعوت اسلام، فرعون کے غرق اور کوہ سینا پر ۱۳ ویں صدی ق م میں اللہ تعالی سے ہمکلامی کے واقعات اور احکام عشرہ مذکورہ ہیں۔ بنی اسرائیل کے صحرائے سینا میں خیمہ زن ہونے کے واقعات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اسے خروج اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا واقعہ مذکور ہے اس کے چالیس ابواب ہیں۔([6])

([1]) یہودیت اور مسیحیت، ڈاکٹر احسان الحق رانا، مسلم اکادمی ۱۸ محمد نگر لاہور، ۱۴۰۲ھ ص: ۲۳، ۲۲

([2]) سیرت سرور عالم، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۷۸ء ۱/۶۲۸

([3]) سورۃ المائدۃ: ۵/۴۴

([4]) کتاب الھدیٰ، یعقوب حسن، شمس ادب کراچی، ۲۰۰۰ء، ص: ۷۹

([5]) عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش ص، ۱

([6]) عہد نامہ قدیم، کتاب پیدائش ص، ۱

۳۔کتاب الاخبار (سفر الاوبین)

اس میں موسوی شریعت کے احکام درج ہیں۔یعنی شرعی قوانین، قربانی کی شرائط، حلال و حرام، مذہبی احکامات اور حضرت ہارون علیہ السلام کی کہانت کا بیان ہے۔اس کے ستائیس ابواب ہیں۔([1])

۴۔کتاب گنتی (کتاب اعداد)

اس کتاب میں مصر سے خروج اور بنی اسرائیل کی مختلف شاخوں کی تقسیم اور چالیس سال تک صحرائے سینا میں بھٹکنا اور ہر قبیلے کے افراد کی مردم شماری بیان کی گئی ہے اس کے کل ابواب تیئس ہیں۔([2])

۵۔کتاب الاستثناء

مذہبی قوانین کے اعتبار سے اس کتاب کو انتہائی بنیادی اہمیت حاصل ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک کے حالات وواقعات واحکام پر مشتمل ہے۔اس کے کل ۳۴باب ہیں۔([3])

ان پانچ کتابوں کے مجموعہ کو تورات کہتے ہیں۔([4])

رومن کیتھولک بائبل:

رومن کیتھولک بائبل ۴۶کتب پر مشتمل ہے۔([5])

یہود کی دیگر اہم کتب:

مشناہ: جس وقت بیت المقدس پر روم کی حکومت تھی اور بنی اسرائیل رومیوں کی اجازت سے بیت المقدس میں عبادت کے لیے آتے تھے اور اہل علم اپنا وقت شریعت کی کی فقہ میں گزارتے تھے جو تورات پر مبنی تھی۔روم نے جب بیت المقدس کو تباہ کیا تو اس کے بعد علماء نے تفسیر و تفہیم کا کام شروع کیا تو اس طرح ایک مصحف جمع ہو گیا جس کا نام مشناہ رکھا گیا۔تلمود بھی اسی سے ماخوذ ہے۔([6])

([1]) عہد نامہ قدیم، کتاب احبار ص ۱۱۷

([2]) عہد نامہ قدیم، کتاب گنتی ص ۱۵۴

([3]) بائیبل سے قرآن تک، مترجم اکبر علی، تقی عثمانی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۴ء ص ۳۰۶

(4) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۷۰۳، نیز مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوھدری غلام رسول چیمہ، غلام رسول اینڈ سنز لاہور، ۲۰۱۲ء ص:۳۸۴

([5]) دنیا کے بڑے مذاہب، ڈاکٹر ذاکر نائیک، عبداللہ اکیڈمی الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور 2009ء ص ۳۴۹

([6])Fishbane,Michael A.judisam:revelation andtraditions san Franisco Harpercollins 1987 p.48

یہودی ربیوں کی تورات کا مجموعہ ہے۔ اس کے چھ حصے ہیں جو عبادات، مقدس ایام، خاندانی معاملات، قربانیوں اور طہارت کے مسائل پر مشتمل ہیں۔[1]

گیمارا:

مشناہ کی تفسیر ہے جو کہ تیسری اور چوتھی صدی میں تیار ہوئی۔[2]

تلمود:

دوسری اور تیسری صدی میں یہود تورات کی تدریس سے محروم ہوگئے کیوں کے رومیوں نے ان کے یروشلم میں کوئی جگہ عبادت کے لیے نہ چھوڑی اب تورات کو پڑھنا اور سابقہ علماء کی زبانی کلام کو یاد کر کے اس پر غور کرنا ہی ایک عبادت تھی تو اس وقت تلمود وجود میں آئی۔

تلمود کو بھی یہود کے پاس بڑی اہمیت حاصل ہے۔ بلکہ اس کو وحی غیر مقطوع کی حیثیت حاصل ہے، تلمود ان روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بہ سینہ علماء کاتبوں، احبار اور پھر ربیوں تک پہنچا۔[3]

تلمود دو ہیں ایک یروشلم میں ۴۰۰ء میں مکمل ہوئی اور دوسری بابلی تلمود جو ۵۰۰ء میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔[4]

ہگادا:

لفظی معنی قصہ یا کہانی کے ہیں۔ یہ مشناہ قانون سے الگ حصہ ہے۔ بابلی تلمود کا حصہ اور یروشلم تلمود کا ۶/۱ حصہ ہگادا پر مشتمل ہے۔[5]

ہلاخہ: مشناہ کی زبانی ۸ روایات اور قانونی نظائر، ربیوں کی قانون کے متعلق رائے پر مبنی ہے۔[6]

مدارش (Midrash)

یہ کتاب مقدس کے قانون کی تشریح و تفسیر ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں مکمل ہوئی مشناہ کے مسائل دو الگ الگ کتب میں جمع کیے گے ایک توفتا اور اور دوسری مدراشیم کہلا ہی ہے[7]

---

(1) بائیبل کا تحقیقی جائزہ، بشیر احمد، اسلامک سٹڈی فورم راولپنڈی ۲۰۰۳ء ص ۲۲، ۲۳

(2) ایضا ص ۲۲

(3) ایضاً، نیز دنیا کے بڑے مذاہب، ص ۳۴۹

(4) دنیا کے بڑے مذاہب، ۳۵۰

(5) بائبل کا تحقیقی جائزہ، ص: ۲۳، ۲۲

(6) ایضا

(7) بائبل کا تحقیقی جائزہ، ص: ۲۳، ۲۲

تحریف تورات:

موسیٰ علیہ السلام کے اقوال سے بالکل واضح ہوتا ہے کہ یہود کو کتاب کو مضبوطی سے تھامنے کے ساتھ ساتھ اس کی دعوت و تبلیغ اور اس پر عمل کرنے کو کہا گیا لیکن یہود نے غفلت سے کام لیا اور تورات کو بلادیا۔

یہود نے بجائے کتاب اللہ کے علم کی نشر واشاعت کے اس کو ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک طبقے تک محدود کرر کھا تھا اور عام لوگ تو درکنار، خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے اور جب عام جہالت کی وجہ سے ان کے اندر گمراہیاں پھیلیں تو علماء نے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوشش نہ کی بلکہ عوام میں مقبولیت قائم رکھنے کے لیے ہر اس ضلالت وبدعت کو جس کا رواج عام ہو جاتا، اپنے قول و عمل سے یا اپنے سکوت سے سند جواز عطا کرنے لگے۔([1])

سید ابوالاعلی مودودیؒ لکھتے ہیں:

عہد عتیق (Old Testaments) کی کتب خمسہ اصل تورات نہیں بلکہ دنیا سے ناپید ہو چکی ہے۔ اس نظریہ کی تائید خود عہد عتیق سے ہوتی ہے اس سے ہم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری زمانہ میں حضرت یشوع (یوشع) کی مدد سے تورات کو مرتب کر کے صندوق میں رکھ دیا تھا۔ ان کے انتقال میں چھٹی صدی ق م جب بخت مصر نے بیت المقدس کو آگ لگادی تو وہ مقدس صندوق ان تمام کتابوں سمیت جل گیا جو حضرت عزیر نے خود بائبل کی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کے کاتبوں اور لاویوں کے ساتھ مل کر آسمانی الہام سے اس کتاب کو از سر نو مرتب کیا۔([2])

یہود کے دینی ادب میں تحریف کی شہادت قرآن کریم میں بالکل واضح ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ﴾([3])

ترجمہ: کیا تم یہ توقع رکھتے کہ وہ ایمان لائیں گے اور ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا کہ وہ کلام اللہ سن کر اس میں جانتے بوجھتے تحریف کرتے تھے۔

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾([4])

ترجمہ: پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے کہ اس طرح تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں۔

([1]) عہد نامہ قدیم، استثناء ۳۱: ۲۷، ۲۴، سیرت سرور عالم، ص/۶۲۸،

([2]) تفہیم القرآن، سورۃ البقرۃ، حاشیہ ۱۶

([3]) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۷۵

([4]) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۷۹

نہ صرف ان کے علماء نے کلام اللہ میں تحریف کی بلکہ جس جگہ ضروری سمجھا اپنی خواہشات کو بھی اللہ تعالیٰ کے کلام میں خلط ملط کر دیا۔

یہ تحریفات کلمات دو صورتوں میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

ا۔ کتاب اللہ کے الفاظ میں رد و بدل کرنا۔

۲۔ آیات کتاب کو اپنا مفہوم پہنانا۔

الغرض یہود کتاب الٰہی میں تحریف لفظی اور معنوی دونوں کرتے تھے۔

تحریف لفظی:" هَوتغیر اللفظ دون المغنی۔" ([1])

یعنی لفظ کو بدل دینا معنی کے علاوہ اور یہ تحریف لفظی تین طرح کی تھی۔

ا۔ تحریف بالتبدیل ۲۔ تحریف بالزیادہ ۳۔ تحریف بالنقصان([2])

تحریف لفظی کی مثال:

اگرچہ اس کی بہت ساری مثالیں یہود کی کتب میں موجود ہیں لیکن میں یہاں اشارۃ صرف ایک مثال نقل کرتا ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش اور طوفان نوح علیہ السلام کے درمیان عبرانی بائبل کے اعتبار سے ایک ہزار چھ سو چھپیس سال کا فاصلہ ہے جبکہ یونانی نسخے میں اس فاصلے کی مدت دو ہزار دو سو باسٹھ سال ہے۔اور سامری نسخے میں ایک ہزار تین سو سات سال لکھی ہے۔([3])

تحریف معنوی:

"هوتاويل فاسد بحمل الاية على غير معناها، بتعيف وانحراف عن سواء السبيل"([4])

ترجمہ :یہ تاویل فاسد جو آیت کو اس کے غیر معنی پر محمول کرنا ہے سیدھے رستے سے انحراف کرنا۔

یہود میں تحریف لفظی کی نسبت تحریف معنی زیادہ پائی جاتی تھی اور اس کی مثالیں کافی حد تک موجود ہیں۔ میں اشارۃً صرف ایک مثال نقل کر دیتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ اپنی کتاب الفوز الکبیر میں یہود کی تحریف معنوی کی بہت ساری مثالیں لاتے ہیں جن میں سے ایک مثال جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

([1]) التعریفات للجرجانی، علی بن محمد علی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۴۰۳ھ، ص:۵۳

([2]) اظہار الحق، ص:۲/۴۳۱

([3]) ایضا،۲/۴۸۸

([4]) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المصباح لاہور، بدون سنہ، ص:۲۷

یہود سمجھ بیٹھے تھے کہ یہودی اور عبرانی جنت میں ضرور جائیں گے اور انبیاء کرام کی شفاعت ان کے حق میں فائدہ مند ہو گی اور یہاں تک کہ کہنے لگے ہمیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن، اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر غلط طریقے سے ایمان رکھتے ہوں اور اس کو آخرت پر اور اس نبی کی رسالت پر کوئی حصہ حاصل نہ ہو جو اس کی طرف بھیجا گیا ہے۔([1])

مذکورہ معنوی تحریف غلط اور محض جہالت پر مبنی ہے کیوں کے قران نے ان کے اس زعم باطل کی تردید کی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾([2])

ترجمہ: یقیناً جس نے بھی برے کام کیے اور نافرمانیوں نے اسے گھیر لیا، وہ ہمیشہ کے لیے جہنمی ہے۔

غرض یہ باطل تاویلات تھیں جو یہود کیا کرتے تھے جس طرح وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں اور ہمیں یعقوب علیہ السلام نے یہودیت پر قائم رہنے کی تاکید کی تھی وغیر ان سب تاویلات کو قرآن مجید نے باطل قرار دیا۔

آج یہود کے دینی سرمائے کا ذیادہ تر حصہ تحریف شدہ ہے اور تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ان کی الہامی کتابیں مفقود ہو چکی تھیں تو جب بھی ان کو ضرورت پڑی تو وہ اپنی طرف سے اس کو لکھ لیتے۔

دوسرا الہامی مذہب عیسایت ہے۔ اس مذہب کے پیروکار دنیا میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں، بائبل عیسایت کی مقدس کتاب ہے اور بائبل کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جیدید اور عہد نامہ جیدید میں عیسی علیہ السلام کے حالات مذکور ہیں۔

امت مسلمہ کی ہدایت کے لیے نازل شدہ الہامی کتاب:

بنی نوع انسان کی ہدایت انکی رہنمائی کے لیے اللہ تعالی جو دین مقرر فرمایا وہ اسلام ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر محمد مصطفی ﷺ تک ایک ہی رہا۔ انسانوں کی رہنمائی اور اس کی تصحیح کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبر آتے رہے۔ اور آخری پیغمبر محمد مصطفی ﷺ پر تصحیح شدہ اور مکمل صحیفہ اللہ تعالی نے نازل فرمایا جو کہ رہتی دنیا تک صحیفہ رشد و ہدیت قرار پایا، جسے قران مجید کہتے ہیں، اس پر ایمان لانے والے امت مسلمہ کہلائے۔ غرض یہ قرآن مجید آیات و سوَر کا مجموعہ ہے جو تیئیس سال میں اللہ تعالی نے اپنے نبی پر انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا۔

قرآن کریم:

اسلامی تعلیمات کا پہلا ماخذ قرآن کریم ہے جو کہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے، قرآن

([1]) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص:۲۷

([2]) سورۃ البقرۃ ۲ :۸۱

کریم کی پہلی آیت غار حرا میں اتری اور آخری حجۃ الوداع کے موقع پر۔ آج قرآن ٹھیک اسی شکل میں موجود ہے جس طرح نبی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ اگرچہ اس وقت قرآن کریم کتابی شکل میں نہیں تھا لیکن سورتوں کی ترتیب یہ ہی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زندگی میں بہت سارے لوگ اس کے حافظ تھے۔

لغوی تعریف:

قرآن باب قرا سے ہے اور اسی سے "قرات الشیء" کسی چیز کو جمع کرنا، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جوڑنا، پس قرآن کے معنی جوڑنے اور ملانے کے ہوئے۔([1])

اور ابو عبیدۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بیشک اس کا نام رکھا گیا ہے قرآن کیوں کے یہ سورتوں کو جمع کرتا ہے۔ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ لفظ قرآن اسم ہے۔([2])

اصطلاحی تعریف:

جتنی بھی اصطلاحی تعریفیں علماء نے کی ہیں قریب قریب معنی رکھتی ہیں۔

"القران: كلام الله المنزل على نبيه محمد صلى الله عليه وسلم، المعجز بلفظه المتعبد بتلاوته المكتوب فى المصاحف المنقول بالتواتر" ([3])

اللہ تعالیٰ کا کلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ معجزہ ہے اپنے الفاظ کے ساتھ اس کی تلاوت عبادت ہے مصاحف میں لکھا ہوا ہے تواتر سے منقول ہے۔

قرآن کریم وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:﴿انَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ ([4])

بیشک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

قرآن سے قبل جتنی بھی الہامی کتب نازل ہوئیں ان میں تحریف کی گئی جبکہ قرآن مجید میں قیامت تک تحریف نہیں ہو سکتی۔ قرآن کا یہ ایک معجزہ ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور آج تقریباً ساڑھے چودہ سو سال ہونے والے ہیں اس کا ایک لفظ تو کیا ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی جو کہ اس کی عظمت، رفعت اور اعجاز کی دلیل ہے۔ اور جہاں تک کتابت قرآن مجید کا تعلق ہے تو وہ آپ ﷺ کے دور سے ہی اس کا آغاز ہو چکا تھا کاتبین وحی کی

([1]) الصحاح، اسماعیل بن حماد الجوھری، دار العلم الملایین، ط ثانی، 1399ھ، 65:1

([2]) معجم مقاییس اللغہ، ۲/ ۳۹۶

([3]) عظمۃ القرآن الکریم، محمود بن احمد بن صالح الدوسری، دار ابن الجوزی طبع اولی، 1426ھ ص:۴۹

([4]) سورۃ الحجر: ۱۵/ ۹

تعداد کے حوالے سے کتبِ تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ۔ عہدِ نبوی میں اصل مدار تو حفظِ قرآن مجید ہی پر تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت قرآن کا بھی خاص اہتمام فرمایا۔

کتابت قرآن کا طریقہ کار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان فرمایا:

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ سخت بوجھ محسوس کرتے اور آپ کے جسمِ اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے؛ پھر آپ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھواتے رہتے میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ میں لکھ کر فارغ ہوجاتا تو قرآن کے نقل کرنے کے بوجھ سے مجھ کو ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا؛ بہرحال جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے "پڑھو" میں پڑھ کر سناتا اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ ([1])

کتابتِ وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ؓ ہی کے سپرد نہ تھا؛ بلکہ آپ نے بہت سے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس مقصد کے لیے مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسبِ ضرورت کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، کاتبینِ وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے۔([2])

حضرت علی اور حضرت معاویہ ابی بن کعب، زید بن حارث جیسے جلیل القدر صحابہ کا کاتبین وحی میں سے ہیں۔ قرآن کریم کو دو مرتبہ جمع کیا گیا۔ پہلی مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مختلف اشیاء پر لکھے ہوئے قرآن مجید کو مصحف کی شکل میں لکھا۔ آیات اور سورتوں کو ترتیب دیا اور اس میں وہ آیات بھی شامل تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہ ہوئی تھی اور اس میں وہ سات حروف بھی شامل تھیں جن پر قرآن نازل ہوا۔ اور جبکہ جو جمع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہوئی وہ قرآن کریم سات حروف میں سے صرف ایک حرف پر اور انھوں نے تمام مسلمانوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیا اور مسلمان صرف ایک ہی حرف کے مطابق تلاوت کرتے ہیں۔

([1]) المعجم الکبیر للطبرانی، ابو القاسم سلیمان الطبرانی، دار الکتب العلمی ۱۴۱۵ھ ۵:۱۲۴ ح، ۴۸۸۹

([2]) علوم القرآن، مفتی تقی عثمانی، دارالعلوم کراچی، ۱۴۱۵ھ ص، ۱۷۹

فصل چہارم: انبیائے کرام:

یہود کے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام:

اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام سے کائنات میں کثیر تعداد میں ان کی اولاد پیدا کی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اولاد آدم گمراہی کے رستہ پر چل پڑی اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ معبودان باطلہ کی عبادت کرنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے مسلسل انبیاء ورسولوں کو مبعوث فرمایا۔ جنھوں نے انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف لانے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ سلسلہ آدم علیہ السلام سے ہوتا ہوا آدم ثانی نوح اور آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ لیکن ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کا آغاز کرتے ہیں کیونکہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے ماننے والے انہی سے آغاز کرتے ہیں اور اس لیے بھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تینوں الہامی مذاہب کے پیغمبروں کے جد امجد ہیں۔

جبکہ یہود کی لغوی اور اصطلاحی تعریفات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہود حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی اولاد سے ہیں لیکن ان کا سلسلہ نسب بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے تو اس لیے ان کے ابنیا میں سب سے اول ذکر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

نام ونسب: ابراہیم بن تارح بن ناحور بن سارخ بن راغو بن فالح بن عابر بن شالح بن ارمخشد بن سام بن نوح۔ ([1])

والد کا نام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام "آزر" تھا اس کی تصدیق قرآن کریم نے کی ہے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ﴾([2])

ترجمہ: اور جب کہا ابراھیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کیا تم بتوں کو الہ بناتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکر قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں آیا ہے۔ اسم گرامی ۲۵ سورتوں میں ۶۳ مرتبہ آیا ہے۔ آپ علیہ السلام کو خلیل اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ صحف ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی آیات موجود

([1]) تاریخ طبری،:۱/۱۶۴، البدایۃ والنہایہ،:۱/۲۰۸، نیز تاریخ ابن خلدون:۱/۴۹

([2]) سورۃ الانعام۷: ۷۳

ہے۔([1])

اولاد کے لیے آپ کی دعا کا ذکر قرآن مجید میں سورۃ الصفت میں آیا ہے۔

﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ([2])

ترجمہ: اے پروردگار مجھے نیک اولاد عطا فرما۔

آپ علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ تھی تو آپ علیہ السلام کی شادی حضرت ہاجرہ سے ہوئی۔ جن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خوشخبری ملی۔ آپ علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کعبہ کے قریب چٹیل میدان میں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دیکھایا کہ وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں چنانچہ باپ بیٹا دونوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس آزمائش میں پورے اترے تو دونوں نے مل کر کعبہ کی بنیادوں کو از سر نو اٹھایا تو آپ نے قبولیت کی دعا کی اور مکہ کی آبادی کے لیے بھی دعا مانگی۔([3])

قرآن کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "مسلم"، "امہ"، "امام الناس" اور "حنیف" کی صفات سے یاد فرمایا۔([4])

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ اسی سال کی عمر میں کروایا۔([5])

مسواک، مصافحہ اور معانقہ بھی آپ سے ثابت ہے۔([6])

آپ پہلے شخص ہیں جنوں نے حفاظت ایمان اور اطاعت الٰہی کی خاطر اپنا وطن چھوڑ کر شام کی طرف ہجرت کی۔([7])

([1]) سورۃ البقرۃ:۲/ ۲۵۸، ۱۴۰، ۱۳۰، ۱۲۷، ۱۲۶، ۱۲۵، ۱۲۴۔ سورۃ آل عمران ۳/ ۹۷، ۹۵، ۸۴، ۶۸، ۶۷، ۶۵، ۳۳۔ سورۃ النساء:۴/ ۱۶۳، ۱۲۵، ۵۴۔ سورۃ الانعام:۶/ ۱۵۱، ۸۳، ۷۵، ۷۴۔ سورۃ التوبۃ:۹/ ۱۱۴، ۷۰۔ سورۃ ھود:۱۱/ ۷۴، ۶۹، سورۃ ابراھیم:۱۴/ ۳۶۔ سورۃ النحل:۱۶/ ۱۳۳، ۱۲۰۔ سورۃ الانبیاء:۲۱/ ۶۹، ۶۰، ۵۱۔ سورۃ الشعراء:۲۶/ ۷۰، ۶۹ سورۃ الاحزاب:۳۳/ ۷۰

([2]) سورۃ الصٰفٰت:۳۷/ ۱۰۰

([3]) سورۃ ابراھیم:۱۴/ ۳۷۔ سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۲۴۔ سورۃ الصٰفٰت:۳۷/ ۱۰۱۔ سورۃ ابراھیم:۱۴/ ۳۵

([4]) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا:۱/ ۴۲، نیز سورۃ النحل:۱۶/ ۱۲، سورۃ البقرۃ:۲/ ۱۲۴، سورۃ آل عمران:۳/ ۶۷

([5]) صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا، ح۳۳۵۶، ص ۵۶۰

([6]) تاریخ الانبیاء، ۱/ ۶۴

([7]) تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۶۴

وفات:

آپ علیہ السلام فلسطین کی شہر الخلیل (حبرون) میں فوت ہوئے۔ آپ کی قبر حضرت اسحاق، حضرت یعقوب علیہم السلام کی قریب اس چار دیواری میں واقع ہیں۔ جسے حضرت سلیمان بن داؤد نے تعمیر کیا تھا۔

الغرض میں نے طوالت سے بچنے کے لیے اختصار کی راہ اختیار کی اور اس وجہ سے بھی کہ انبیاء کی حیات کے متعلق معلومات کا حصول بآسانی ہو جاتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کی زندگی بڑی سبق آموز ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ توحید اور اطاعت الٰہی کو مکمل طور پر اپنایا اور ایمان کی حفاظت کی خاطر اپنی جان، مال، اولاد کی کوئی پروانہ کی اور بعد میں آنے والے انبیاء کے لیے آپ علیہ السلام کی زندگی بہترین نمونہ تھی۔

حضرت اسحاق علیہ السلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند ہیں جو حضرت سارہؓ کے بطن سے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے ۳ یا ۴ سال چھوٹے تھے۔

آپ کی پیدائش کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر تقریباً نوے یا سو سال تھی اور حضرت سارہؓ کی عمر نوے برس تھی تو انھیں آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی گئی۔ (1)

شجرہ نسب:

اسحاق بن ابراہیم بن تارح۔۔۔ (2)

جب حضرت اسحاق علیہ السلام آٹھ دن کے ہوئے تو شریعت ابراہیمی کے مطابق ختنہ ہوا اور سارہ علیھا السلام نے دودھ پلایا۔ (3)

پیدائش ووفات:

آپ علیہ السلام ۱۸۸۱ ق م تا ۲۶ ق م ہے۔ آپ کی جائے پیدائش مسکن اور جائے وفات ملک شام کی سرزمین ہے۔ بعض کے نزدیک آپ کی ولادت حبرون میں ہوئی (4)

عہد نامہ قدیم کے مطابق دونوں بھائیوں میں چپقلش تھی کیونکہ برکت دعا حضرت یعقوب نے لے لی تھی۔ یسوع اپنے والدین کے مشورے سے خصوصاً والدہ کی بات مانتے ہوئے اپنے ماموں لابان کے پاس چلے گئے اور وہیں چالیس

---

(1) تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۶۴، نیز البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۳۲، ۲۳۳

(2) تاریخ طبری، ۱/ ۱۶۴، البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۰۸

(3) البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۲۴، نیز تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۵۸-۵۹

(4) تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۵۲۰، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۲/ ۵۹۲

برس کی عمر گزاری۔ آپ کے ماموں نے اپنی دونوں بیٹیوں کی شادی آپ سے کی نیز دونوں شادیوں کے درمیان دس سال کا وقفہ تھا۔ یسوع کی شادی حضرت اسماعیل کی بیٹی بشامہ سے ہوئی اور ان کی نسل ادوم کے نام سے مشہور ہوئی۔([1])

حضرت اسماعیل علیہ السلام:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے جو حضرت ہاجرہ علیھا السلام کے بطن سے ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۴۸ ق م میں ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۶ برس تھی۔ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلی ہیں اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش بعد میں ہوئی۔([2])

چنانچہ ارشاد الٰہی ہے

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ﴾([3])

ترجمہ: اللہ تعالی کا شکر ہے جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسحاق اور اسماعیل عطا فرمائے۔ بیشک میرا رب دعائیں سننے والا ہے۔

اور دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾([4]) ترجمہ: ہم نے ان کو ایک نرم دل لڑکے کی خوشخبری دی۔

جائے پیدائش و مسکن

حضرت اسماعیل کنعان میں پیدا ہوئے۔ شوقی ابو الخیل کے مطابق جنوبی لبنان کی بندرگاہ "صور" حضرت اسماعیل کی جائے پیدائش ساحل بحیر روم پر واقع ہے یہ حبرون سے تقریباً ۲۵۰ کلومیٹر شمال میں ہے۔([5])

حضرت اسماعیل کو اور ان کی والدہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام وادی غیر ذی زرع (مکہ) میں چھوڑ گئے تو جب حضرت اسماعیل ایڑیاں رگڑنے لگے تو زم زم کا چشمہ جاری ہوا۔ تو پھر قبیلہ جرہم یہاں آکر آباد ہوئے جہاں پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اس قبیلہ میں ہوئی اور مکہ میں ہی ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا جب حکم الٰہی کے مطابق ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا([6])

([1]) اطلس لقرآن، ص:۹۱

([2]) البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۳۹،۲۳۸

([3]) سورۃ ابراہیم: ۱۴/ ۳۹

([4]) الصافات: ۳۷/ ۱۰۱

([5]) اطلس القرآن، ص: ۹۷-۹۹

([6]) البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۳۸

قرآن مجید اور تورات دونوں میں یہ بات مشترک ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل تھے اور وہی ذبیح اللہ ہیں اور ارض حجاز میں آباد ہوئے تعمیر کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شریک تھے۔([1]) آپ کی اولاد میں بارہ بیٹے اور ایک بیٹی بشامہ یا محلاۃ سے نوازا اور یہ اپنی امتوں میں رئیس تھے اور ان میں ثابت اور قیدار بہت مشہور ہوئے۔([2])

وفات:

آپ کی عمر ۱۳۰ سال تھی جب وفات پائی ور تورات کے مطابق ۱۳۷ سال عمر پائی اور آپ کی قبر فلسطین میں ہے۔ جبکہ امام طبریؒ کے مطابق آپ کی اور آپ کی والدہ کی قبر مکہ میں ہے۔([3])

حضرت یعقوب علیہ السلام:

نام ونسب:

آپ علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے ہیں۔ جب پیدا ہوئے تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی عمر ۶۰ برس تھی۔ والدہ کا نام "رفقہ" تھا۔([4])

نسب: یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم بن تارح (آذر) بن ناخور بن ساروح بن راغو بن فالح بن عابر بن شالح ارفخشد بن سام بن نوح۔([5])

جب حضرت اسحاق علیہ کی عمر ۶۰ سال ہوئی تو آرامی عورت رفقہ سے شادی کی ۲۰ تک اولاد نہ ہوئی۔ پھر خصوصی دعائیں کی تو اللہ تعالیٰ نے دو جڑواں بچے عطا فرمائے۔ یعقوب علیہ السلام دو میں سے ایک تھے۔([6])

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً﴾([7])

([1]) عہد نامہ قدیم، پیدائش، ۱۷، ۲۰

([2]) تاریخ ارض قرآن، ابوالحسن ندوی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول، ۱۹۷۵ء ۲/۳۵۶

([3]) اطلس القرآن، ص: ۹۹، نیز تاریخ طبری، ۱/۳۵۴، سورۃ البقرہ: ۲/۱۴۰، ۱۳۶، ۱۳۲، ۱۲۵، سورۃ ابراھیم: ۱۴/۳۹، سورۃ مریم: ۱۹/۵۴۔

([4]) تاریخ طبری، ۱/۳۵۴۔ تاریخ ابن خدون، ۱/۶۶

([5]) البدایہ والنہایہ: ۱/۲۴۵-۲۵۶

([6]) تاریخ طبری، ۱/۳۵۴، نیز البدایہ والنہایہ، ۱/۲۴۱

([7]) سورۃ الانبیاء: ۲۱/۷۲

ترجمہ : اور ہم نے (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحق علیہ السلام عطا کیا اور اس کے علاوہ یعقوب علیہ السلام۔

اولاد :راحیل بنت لابان سے (۱) یوسف، (۲) بنیامین لیاہ بنت لابان سے روبن، (۴) شمعون، (۵) لاوی، (۶) یہود، (۷) دینا، (۸) اشکار، (۹) زبولون (۱۰) زاہلون اور جاریہ راحیل سے دان (Dan) اور نفتالی (Naphtali) اور ذلفاجاریہ لیاہ سے جد جاد (God) ، آشر (اشیر (Asher) ۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کے بارہ خاندان آباد ہوئے۔([1])

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں سکونت اختیار کی اور بنیامین علیہ السلام کی پیدائش بھی ادھر ہی کی ہے اور آپ ہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور قیام مصر کے دوران ہی آپ نے وفات پائی، آپ کی عمر ۱۴۷سال تھی، حبرون میں دادا، دادی اور باپ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ نے لوگوں کو شریعت ابراہیمی کی طرف دعوت دی، آپ انتہائی صابر وشاکر انسان تھے۔([2])

حضرت یوسف علیہ السلام:

بنی اسرائیل کے انبیاء میں جلیل القدر نبی تھے۔ آپ کا نام یوسف اور بائبل میں جوزف (Joseph) آیا ہے، حاران میں پیدا ہوئے۔ والدہ کا نام راحیل بنت لابان تھا۔ آپ کے ماں کی طرف سے سگے بھائی بن یامین تھے، زمانہ پیدائش تقریباً ۱۹۲۷ق م اور زمانہ وفات ۱۸۱۷ق م بپایا جاتا ہے اور بائبل کے علماء کے مطابق ۱۹۰۶ق م کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔([3])

قرآن مجید میں آپ ذکر سورۃ یوسف میں تفصیلاً موجود ہے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو قرآن نے احسن کہا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾([4])

ترجمہ :اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ پر احسن القصص بیان کرتے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام جب سن رشد کو پہنچے تو خواب میں گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو اپنے سامنے جھکے ہوئے دیکھا اور جب یہ خواب حضرت یعقوب علیہ السلام نے سنا تو سمجھ گئے اللہ تعالیٰ ان پر کوئی انعام فرمانے

([1]) البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۴۳تا ۲۴۵۔اطلس القرآن، ص:۱۱۱

([2]) ایضا، ۱/ ۲۵۴تاریخ ابن خلدون، ۱/ ۶۶-۶۷، نیز معارف القرآن، مفتی محمد شفیع عثمانی، ۲۰۰۸ء، تفسیر سورۃ یوسف، عہد قدیم: پیدائش: ۵۰/ ۱۳

([3]) ایضا، پیدائش: ۲۴/ ۱۳۰اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۳۲۹

([4]) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۳

والے ہیں۔ آپ علیہ السلام کے بھائیوں نے حسد کیا اور آپ کو کنویں میں پھینک آئے۔ اور یہ کنواں (دوتن) کے مقام پر واقع تھا۔ اردن سے آنے والے ایک قافلہ کے لوگ آپ علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر مصر لے گئے، ۱۸۹۰ق م کے قریب تقریباً یہ واقعہ پیش آیا اور مصر میں اپوبیس نامی بادشاہ تھا۔ ۱۸ سال کی عمر میں مصر لے جائے گئے اور عزیز مصر "فوطیفار یا فوطیفرح" نے خرید لیا۔ یہ پورا واقعہ قرآن کریم میں موجود ہے۔

عزیز مصر کی بیوی ذلیخا حضرت یوسف کے لیے کڑی آزمائش ثابت ہوئی۔ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اور پھر ایک عرصہ تک قید خانہ میں رہے اور قید خانہ میں بھی دین کی دعوت لوگوں کو دیتے رہے اور خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے رہے۔

یوسف علیہ السلام نے قید سے رہائی پانے کے بعد مصر کے حکمران بنے اور جب مصر کے نائب السلطنت بن گئے تو شاہی خزانے کے مطابق آنے والے قحط کے پیش نظر بہترین انتظامات کیے۔ قحط سالی کی وجہ سے کنعان سے ان کے بھائی بھی غلہ لینے آئے تو ان کو غلہ دیا اور بنیامین کو لانے کو کہا اور پھر جب تیسری بار آئے تو انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور اپنے کیے پہ نادم ہوئے۔ پھر یوسف علیہ السلام نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو بھی مصر میں بلوالیا۔ تقریباً چالیس سال باپ بیٹا ایک دوسرے سے جدا رہے۔([1])

حضرت یوسف علیہ السلام تقریباً ۱۱۰ سال کی عمر پا کر فوت ہوئے([2])

حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۵۲۰ق م تا ۱۴۰۰ق م)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران (بن یصبر) بن قاہث (قاہت) بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم علیہما السلام۔([3])

والدہ کا نام یوکابد (یوکبد) تھا۔ آپ بالائی مصر (جنوبی مصر) دارالحکومت طیبہ (تھیپس) موجودہ اقصر میں پیدا ہوئے۔ ولادت باسعادت ۱۵۲۰ق م میں ہوئی۔ اور ۱۴۴۰ق م میں آپ بنی اسرائیل فرعون سے نکالنے میں کامیاب ہوئے۔([4])

جدید محققین کے بقول:

"جس فرعون کے زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی وہ مصر کے فرعونی دور کے ۱۹ویں خاندان کا

([1]) سورۃ یوسف مکمل نیز عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۳۹/ ۱-۲

([2]) اطلس القرآن، ص: ۱۱۶، نیز عہد نامہ قدیم، پیدائش: ۵/ ۲۲ تا ۲۶

([3]) تاریخ طبری، ۱/ ۳۸۵، عہد نامہ قدیم، استثناء، ۷: ۳۴، تھذیب الاسماء لنووی، ۱/ ۱۱۹

([4]) اطلس القرآن، ص: ۱۳۹، نیز عہد نامہ قدیم، خروج: ۱۴/ ۲۵

بادشاہ رعمیس ثانی ہے جو سیتی اول کا بیٹا تھا۔ حضرت موسیٰ عمران کے گھر پیدا ہوئے۔([1])
فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا سلسلہ شروع کیا ہوا تھا اور ہر جگہ اپنے جاسوس بھی مقرر کیے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور پھر آپ کی پرورش بھی مصر شاہی میں کروائی۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ اکثر مقامات پر پایا جاتا ہے۔
قرآن اور کتاب مقدس دونوں میں ام موسیٰ کی تسلی جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے کی ذکر آیا ہے۔
"ساتھ ہی ممتا کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ بچے کو واپس آغوش مادر میں پہنچادے گا اور اسے منصب رسالت پر سرفراز فرمائے گا۔ لہٰذا پریشان نہ ہونا۔"([2])

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا اور موسیٰ علیہ السلام کی پرورش شاہی محل میں ہوئی۔ حضرت موسی علیہ السلام بہادر جوان تھے اور اعلیٰ قوت فکر کے مالک تھے۔ جوان ہوئے تو بنی اسرائیلی کو ایک قبطی کو مارتے ہوئے دیکھا تو قبطی کو روکتے ہوئے ضرب لگائی تو وہ مر گیا، اب اس قتل خطاء کی وجہ سے مصر سے نکلنا پڑا۔ مدین پہنچے جہاں پر حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کی معمان نوازی کی۔([3])
جب مدین پہنچے تو ایک کنویں کے پاس جا کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگی اور پھر حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچ گئے، تو شعیب علیہ السلام نے اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کے ساتھ آپ کی شادی کرنا چاہی اور آٹھ سال بکریاں چرانے کی شرط پر اور کہا دس سال پورے کرو تو تمہاری مرضی انشاءاللہ مجھے نیک پاؤ گے۔([4])
آپ کا نکاح صفورا سے ہوا اور دس سال وہیں قیام کیا اور پھر وادی سیناء میں اپنی اہلیہ سمیت جا رہے تھے تو کوہ طور پر روشنی دیکھ کر آگ لینے گئے تو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نواز دیا۔([5])
وہاں سے جب مصر پہنچے بھائی ہارون علیہ السلام وہیں تھے تو اللہ کے حکم سے فرعون کو دعوت دی اور بنی اسرائیل کو فرعون اور قبطیوں سے آزادی دلوانے میں مصروف عمل رہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا کے اژدھا بن جانے اور ید بیضا کے دو عظیم معجزے عطا کیے اور بھائی ہارون کو بھی نبوت سے نوازا۔ آخر کار موسیٰ علیہ

([1]) البدایہ والنھایہ، ۱/۳۱۳، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱/۸۔ تفسیر ابن کثیر، سورۃ القصص، ۱تا۱۳ سورۃ طہٰ: ۲۰/۷/۳، سورہ القصص: ۱۰تا۴۱، اطلس القرآن، ص:۱۳۹، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۲/۱۶۱۵
([2]) سورۃ القصص: ۲۸/۲۰تا۲۸، تفہیم القرآن، ۳/۶۲۵-۶۲۸
([3]) اطلس القرآن، ص:۱۳۹، اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ۲/۱۶۱۵
([4]) سورۃ لقصص: ۲۸/۲۰تا۲۸، تفہیم القرآن، ۳/۶۲۵-۶۲۸
([5]) سورۃ القصص: ۲۸/۲۹-۳۰، نیز اطلس القرآن، ص:۱۴۱

السلام بنی اسرائیل کو نجات دلوانے میں کامیاب ہو گئے۔([1])

جب فرعون کو پتہ چلا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر چل نکلے ہیں تو اس نے ایک بڑا لشکر لے کر پیچھا کیا اور بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بحر قلزم پر پہنچ چکے تھے اور فرعون کے ڈر سے قوم گھبرائی تو وحی الٰہی سے موسیٰ علیہ السلام کو کہا گیا کہ اپنا عصا پانی پر مارو تو پانی پھٹ گیا اور خشکی کا راستہ نکل آیا اور بنی اسرائیل بحفاظت بحر قلزم پار کر گئے تو فرعون لشکر سمیت بحر قلزم میں داخل ہو گیا تو اللہ کے حکم سے بحر قلزم کا پانی چل پڑا تو فرعون لشکر سمیت غرق گیا([2])

موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر وادی سیناء پہنچ گئے۔ وہاں پانی نہ ہونے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کو زمین پر مارا جس سے بارہ چشمہ پھوٹ پڑے اور بارہ قبائل آباد ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلایا، تین راتوں کے لیے پھر دس راتیں مزید بڑھا دی۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے تختیاں عطا فرمائیں جن پر احکام عشرہ درج تھے یہ پہلی آسمانی کتاب تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی۔([3])

لیکن جب واپس پلٹے تو سامری نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی پرستش پر لگا دیا تھا۔ حضرت ہارون نے روکا پر وہ نہ مانے تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ خبر سنی تو شدید غصہ ہوئے اور بھائی کو ملامت کیا اور بچھڑے کو جلا دیا اور احکام قوم کو سنائے۔ قوم نے توبہ کی لیکن بعد میں دوبارہ سرکشی کی راہ اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو ان پر لا کھڑا کر دیا تو ڈر و خوف سے توبہ کر لی۔([4])

غرض قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیلاً پایا گیا ہے۔ جیسا کہ گائے کے ذبح والا واقع اور اسی طرح ملاقات حضر وغیرہ۔

وفات: ۱۲۰ برس کی عمر میں ۱۴۵۱ ق م یا ۱۴۰۰ ق م میں وفات پائی۔ آپ کی قبر (Jercho) کی بستی میں کثیب احمر (سرخ ٹیلہ) پر واقع ہے۔([5])

([1]) سورہ طٰہٰ: ۲۰/ ۱۷ تا ۳۳۔ ۴۴۔ ۴۷

([2]) سورۃ النمل: ۲۷/ ۱۰ تا ۱۲۔ القصص: ۲۸/ ۳۱-۳۲، نیز اطلس القرآن، ص: ۱۴۰-۱۴۲ البدایہ والنہایہ، ۱/ ۲۸۷-۲۸۸، تاریخ ابن خلدون، ۲/ ۱۶۲

([3]) تفسیر ابن کثیر، ۱/ ۹۷۔ نشانات ارض قرآن، ص: ۱۷۲

([4]) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۵۵ تا ۵۷، ۱۶۴۱، ۶۳ تا ۱۷۱ سورۃ النساء: ۴/ ۱۵۴، المائدۃ: ۵/ ۲۰

([5]) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱: ۸۰۰

حضرت ہارون علیہ السلام:

بنی اسرائیل کے جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں۔ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اکثر آپ علیہ السلام کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں آپ کے نبی ہونے کا ذکر ملتا ہے۔[1]

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کو دعوت دینے گئے تو ہارون علیہ السلام بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش تقریباً ۱۵۲۳ ق م بتائی جاتی ہے۔[2]

حضرت ہارون علیہ السلام کے والد کا نام عمران تھا اور والدہ کا نام یوکبد تھا۔ مصر میں پیدا ہوئے اور پرورش بھی وہیں ہوئی۔[3]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ان کے لیے نبوت کی دعا مانگی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا موجود ہے: ﴿وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي﴾[4]

تورات کے مطابق فرعون سے مصریوں پر مختلف آزمائشیں اور سختیاں نازل ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب کوہ طور پر گئے تو ہارون علیہ السلام آپ کے نائب تھے اور دعوت و تبلیغ کے کام سرانجام دیتے رہے۔ تاہم سامری نے مخالفت کی اور سونے کے زیورات کا ایک بچھڑا بنا لیا۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے روکنے کی کوشش کی اور بنی اسرائیل سے کہا یہ تمہارے لیے آزمائش ہے۔، اور تمہارا پروردگار تو ایک اللہ ہے لیکن قوم نے نہیں مانا اور قتل کرنے کے درپے ہوئے اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے اور یہ گمراہی دیکھی تو غصہ ہوئے اور ہارون علیہ السلام سے کہا تم نے ایسا کیوں ہونے دیا۔[5]

وفات:

وادی تیر میں جبل ہور پر آپ کا انتقال ہوا۔ آپ نے ۱۳۲ برس عمر پائی۔ سن وفات ۱۴۰۰ ق م ہے۔[6]

صحیح بخاری کے مطابق آپ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانچویں آسمان پر شب معراج کے موقع پر ملے تھے۔[7]

---

(1) سورۃ مریم:۱۹/۵۴

(2) انبیائے قرآن:۲:۳۶۲

(3) سورۃ القصص:۲۸/۲۳، نیز عہد نامہ قدیم، خروج:۴/۱۴تا۱۶

(4) سورۃ طہٰ:۲۰/۲۹

(5) سورۃ طہٰ:۲۰/۸۵تا۹۴

(6) عہد نامہ قدیم، گنتی:۳/۱تا۴، مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ص:۸۸،

(7) صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب المعراج، ص ۶۵۲ ح:۳۸۸۷

حضرت داؤد علیہ السلام:

حضرت داؤد علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی رشد ہدایت کے لیے معبوث کیا گیا۔ قرآن میں آپ کا نام مختلف سورتوں میں آیا ہے۔([1])

حضرت داؤد علیہ السلام کو تورات نے صرف بادشاہ لکھا ہے جبکہ قرآن نے اپ کی بادشاہت اور نبوت دونوں کی صراحت کی ہے۔([2])

حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب گیارویں پشت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جاملتا ہے۔([3])

سلسلہ نصب

: داؤد بن الیشابن عوبید بن عابر بن سلمون (سلمان) بن نحشون بن عونیاذب بن ارم بن حصرون بن نارص بن یہودا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم ہے۔([4])

ولادت باسعادت:

آپ علیہ السلام کی ولادت یروشلم کے پاس جنوب میں ایک گاؤں اللحم میں ہوئی۔ تورات میں آپ کی ولادت کی تاریخ نہیں ملتی۔ تاہم اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق ولادت کی تاریخ ۱۰۳۵ ق م ہے([5])

حضرت داؤد پہلے نبی ہیں جن کو نبوت اور حکومت دونوں نعمتیں بخشی گئیں۔

اس کی واضح دلیل قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ﴾([6])

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و کرم تھا۔ پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کا مطیع بنایا جو صبح وشام ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کے فرزند سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیاں سکھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے لوہے کو آپ کے لیے نرم کر دیا تھا اسے جس طرح چاہتے موڑ لیتے تھے۔([7])

([1]) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹/۱۸۸

([2]) سورۃ الانعام ۶: ۸۹، البقرہ ۲: ۲۵۱، النساء ۴: ۱۶۳، عہد نامہ قدیم، سموئیل اول، باب ۱۶ تا آخر سموئیل دوم

([3]) ایضاً نیز البدایۃ والنہایہ،: ۲/ ۳۵۰

([4]) ایضاً نیز اطلس القرآن، ص: ۱۶۰ تا ۱۶۴

([5]) انبیائے قرآن: ۳: ۴۳۸

([6]) سورۃ الانعام ۶: ۸۹

([7]) البدایۃ والنہایہ،: ۲/ ۴۵۹ سورۃ سبا: ۱۰- سورۃ ص: ۱۷ تا ۱۹

فرمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپ کو لوہے سے زریں بنانے کی مہارت تھی اور یہ آپ کا ذریعہ معاش تھا۔

(ما أكل أحد طعامًا قط خيرًا من أن يأكل من عمل يده، وإن نبيَّ اللّٰه داود عليه السلام كان يأكل من عمل يده) ([1])

ترجمہ :انسان کا بہترین رزق وہ ہے جو اس نے اپنے ہاتھ سے کمایا اور اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنی روزی کماتے تھے۔

اللہ تعالی نے آپ کو زبور عطا فرمائی۔ زبور کے لغوی معنی پارے اور ٹکڑے کے ہیں۔ یہ دراصل تورات کی تکمیل کے لیے نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کا ایک حصہ یا ٹکڑا شمار ہوتی ہے۔ جب آپ اس کی خوش الحانی سے اس کی تلاوت کرتے تو جن وانس اور پرندے بھی وجد میں آجاتے اسی لیے لحن داوی مشہور ہے۔([2])

آپ علیہ السلام زہد و تقوی کا بہترین نمونہ تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

(أَحَبُّ الصَّلَاةِ إِلَى اللَّهِ صَلَاةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ ، وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللَّهِ صِيَامُ دَاوُدَ ، وَكَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ ، وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا)([3])

ترجمہ :اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور پسندیدہ روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ آپ آدھی رات آرام کرتے، تہائی رات قیام، رات کا چھٹا حصہ پھر سو جاتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

وفات:

حضرت داؤد علیہ السلام ۱۰۰ سال کی عمر میں ۹۶۳ق م ۹۶۴ق م میں سبت کے دن فوت ہوئے اور صیہون میں مدفون ہوئے۔([4])

حضرت سلیمان علیہ السلام:

شجرہ نسب: سلیمان بن داؤد بن الشیابن عوبد بن عابد بن سلمون بن نحشون بن عونیاذب بن ارم بن حصرون بن فارص بن یہوذا بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم۔([5])

ولادت: تورات کے مطابق یروشلم میں بت سبع (بت سوع) کے بطن سے پیدا ہوئے۔ قرآن وحدیث و تاریخ سے

([1]) صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ، ح۲۰۷۲ص ۳۳۳

([2]) نزول زبور پر دیکھئے سورۃ النساء:۴/ ۱۶۴، سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/ ۵۵، نیز البدایہ والنہایہ ۲/ ۳۵۴، نیز اطلس القرآن، ص:۱۶۵

([3]) صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب من نام عند السحر، ح:۱۱۳۱ص ۱۸۱

([4]) تواریخ اول، ۱:۲-۳، نیز قصص الانبیاء، عبد الوھاب نجار، ص:۵۶۳، نیز البدایۃ والنہایہ،:۲/ ۳۶۲، نیز تاریخ ابن خلدون،:۱/ ۱۵۶

([5]) البدایۃ والنہایہ،:۲/ ۳۶۲، نیز تاریخ ابن خلدون،:۱/ ۱۵۶

آپ کی والدہ کا نام معلوم نہیں۔([1])

جب آپ کی پیدائش ہوئی تو اس وقت داؤد علیہ السلام کی عمر ۴۲ سال تھی۔([2])

حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ حکومت دسویں صدی ق م کا ہے۔ ۴۰ سال حکومت کی بنی اسرائیل کے دشمنوں کو شکست دی اور زبردست سلطنت قائم کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جو کہ قبول ہوئی۔ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔([3])

قرآن کریم میں بھی ان انعامات کا ذکر ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیں۔ پرندوں، چیونٹیوں کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت دی اور ہوا کو مسخر کیا۔ آپ صبح وشام ایک ایک مہینے کا سفر کیا کرتے تھے۔([4])

اور اسی طرح قوم سبا اور ملکہ سبا بلقیس کا واقعہ بھی قرآن کریم میں ہے کہ جب ہدہد ملکہ بلقیس کے پاس سلیمان علیہ السلام کا خط لے کر آیا اس میں پہلی بار ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ سے ابتدا کی گئی۔ ملکہ اظہار اطاعت کے لیے فلسطین روانہ ہوئی لیکن اس سے پہلے ہی اس کا تحت سلیمان علیہ السلام نے معجزانہ طور پر منگوالیا اور بطور آزمائش آپ نے کچھ تبدیلی تحت میں کی۔ ملکہ سمیت پوری قوم سبا مسلمان ہوگئی۔([5])

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کروائی اور یہ کام انھوں نے جنوں سے لیا اور بیت المقدس کی تعمیر نو آپ کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔ آپ علیہ السلام کو ٹیک لگائے عبادت الٰہی میں مصروف تھے کہ آپ علیہ السلام کی روح قبض کر لی گئی اور جن تعمیر مسجد میں مصروف رہے اور ان کو خبر تک نہ پہنچی۔ عصا کو جب دیمک نے چاٹ لیا تو حضرت سلیمان گر گئے تب جنوں کو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوگیا۔ آپ بیت المقدس میں ۹۲۳ق م میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔([6])

حضرت ذکریا علیہ السلام:

نام ونسب:

ذکریا بن ادن بن مسلم بن صدوق بن محمان بن داؤد بن سلیمان بن مسلم بن صدقیہ بن برحسیہ بن ملقاطیہ بن ناحور

([1]) عہد نامہ قدیم، سموئیل دوم: ۱۲/ ۲۴-تواریخ اول: ۳/ ۵ تا ۲۴

([2]) انبیاء کرام، ابوالکلام آزاد، ص: ۳۱۱

([3]) سورۃ ص ۳۸: ۳۵

([4]) سورۃ الانبیاء: ۲۱/ ۷۹، ۷۸-سورۃ سبا: ۱۳، ۱۲، نیز اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۱۱/ ۲۳۳

([5]) سورۃ النمل: ۹۱، ۳۸، ۲۴ نیز اطلس القرآن، ص: ۱۷۴

([6]) البدایۃ والنہایہ: ۲/ ۳۵۵، ایضاً، ص: ۱۷۰ تا ۱۷

بن مسلوم بن بہفانیا بن ماس بن انی بن خشعم بن سلیمان بن داؤد۔([1])
آپ علیہ السلام اولاد داؤد میں سے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہم عمر تھے۔ حضرت مریم کے خالو تھے۔([2])
۵۱۹ ق م کو نبوت کا اعلان کیا اور ان کے ذمے مریم علیہا السلام کی کفالت آئی۔ جب مریم علیہ السلام کے پاس عبادت والے کمرے میں داخل ہوتے تو بے موسم پھل پاتے۔ آپ تعجب سے پوچھتے تو وہ فرماتی اللہ کے ہاں سے۔ تب ذکریا علیہ السلام نے اولاد کی دعا کی۔ یحیٰ کی بشارت کی خبر دی گئی۔ یہ خبر بڑی مسرت کا باعث تھی کیونکہ علم و حکمت و نبوت کا وارث آنے والا تھا۔([3])
قرآن کریم میں ہے:
﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾([4])
ترجمہ: ذکریا اور یحیٰ اور عیسیٰ سب صالحین میں سے ہیں۔
اور حدیث میں آتا ہے کہ: ”ذکریا علیہ السلام پیشے کے اعتبار سے بڑھئی تھے۔“([5])

شہادت ذکریا علیہ السلام:

آپ علیہ السلام کی وفات ایک طبعی موت تھی یا شہادت تھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں طبعی اور بعض کہتے ہیں آپ علیہ السلام کو قتل کیا گیا اور آپ نے شہادت پائی۔([6])
عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد تورات کے جو احکام منسوخ ہوئے ان میں ایک بھتیجی سے نکاح بھی تھا۔ بنی اسرائیل کا بادشاہ ہیرودس اپنی ایک بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ حضرت یحیٰ جو شریعت عیسوی کے ماننے والے تھے۔ منع کیا تو ان کو شہید کر دیا گیا اور ذکریا علیہ السلام بھاگ کر ایک باغ میں گئے اور درخت کے تنے میں پناہ لی۔ بادشاہ کے آدمیوں نے درخت کو حضرت ذکریا علیہ السلام سمیت آرے سے چیر دیا۔([7])

([1]) تاریخ طبری،:۱/ ۵۸۵ البدایۃ والنہایہ،:۲/ ۱۴۷
([2]) قصص القرآن، حفیظ احمد سیوہاروی،:۲/ ۲۵۱، ۲۵۰ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،:۱۰/ ۱۷/ ۴
([3]) اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، ص:۱/ ۷۰۷ نیز عہد نامہ جدید، انجیل لوقا ۶۵:۱
([4]) سورۃ الانعام:۶/ ۸۵
([5]) صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، کتاب الفضائل، باب فضائل الزکریا، دار السلام ریاض، طبع ثانیہ ،۱۴۲۱ھ ح:۶۱۶۲ ص ۱۴۴۵
([6]) عہد نامہ جدید، متی، ۲۹:۲۳ تا ۳۶، لوقا ۴۷:۱۱ تا ۵۲، نیز اطلس القرآن، ص:۱۸۸
([7]) اطلس القرآن، ص:۱۹۲، ۱۹۱

حضرت یحیٰ علیہ السلام:

حضرت یحیٰ ذکریا علیہ السلام کے فرزند تھے۔ والدہ کا نام الشیاع / الیشع تھا۔ عبرانی زبان میں آپ کا نام یوحنا تھا۔([1])

آپ اپنے والد گرامی کی دعاؤں کا ثمرہ تھے۔ جب پیدا ہوئے تو حضرت ذکریا علیہ السلام کی عمر ۷۷ برس تھی جبکہ بعض روایتوں میں ۹۲، ۹۰ یا ۱۲۰ سال تھی۔([2])

قرآن میں حضرت ذکریا علیہ السلام کو آپ علیہ السلام کی جو بشارت دی گئی موجود ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى﴾([3])

ترجمہ: اے ذکریا علیہ السلام! بیشک ہم تمہیں بشارت دیتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحیٰ ہے۔

وفات:

جیسا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام کے تذکرہ میں ہم بتا چکے ہیں کہ ہیرودس نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ مسجد اموی جو دمشق میں ہے وہاں سر دفن ہے۔ جسد مبارک (Village of Sebastiya) میں دفن ہے۔([4])

حضرت عیسیٰ علیہ السلام(Jesus, Christ)

نام ونسب:

عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ہاشم بن امون بن میشا بن حزقیا بن امریض بن موشم بن عزاریا بن امصیا ایان بن احریہو بن یازم بن یہفاشاط بن اشیا بن ایان بن رجعام بن سلیمان بن داؤد۔([5])

بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معجزاتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ماں باپ کے بغیر اور حضرت

([1]) تذکرۃ الانبیاء، امیر علی خان، اسلامی کتب خانہ، فضل مارکیٹ لاہور، ص:۴۱

([2]) تفسیر ابن کثیر، :۲/۳۶۰ نیز البدایہ والنہایہ، :۲/۴۹، عہد نامہ جدید، انجیل لوقا ۲۶:۱تا۳۵

([3]) سورۃ مریم:۱۹/۷

([4]) نشانات ارض قرآن، شکیل مصباح الدین، فضل سنز اردو بازار کراچی، طبعہ ۲۰۰۵ء، ص:۲۰۴

([5]) البدایہ والنہایہ، ۲:۷۰

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی۔([1])
آپ کا نام عیسیٰ اور لقب مسیح تھا۔ جائے پیدائش بیت اللحم (کوہ شاعید) اور بعض کے ہاں ناصرہ میں ہوئی۔([2])
فرمان باری تعالیٰ ہے:
﴿اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾([3])
انجیل متی اور لوقا کے مطابق والدہ نے آپ کا نام یسوع رکھا۔([4])
مسیح نام اس وجہ سے آپ مردہ پر اللہ کے نام سے ہاتھ پھیرتے تو وہ زندہ ہو جاتا اور اسی طرح کوڑی کی مرض والے پر اللہ کے نام سے ہاتھ پھیرتے تو اسے شفا مل جاتی۔([5])
حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدائش سے نبوت تک کہاں رہے اناجیل میں بھی اختلاف ہے۔ مریم علیھا السلام ہیرودس کے ڈر سے مصر چلی گئیں تھیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام تقریباً بارہ سال وہیں گزارے۔ پھر جب وفات ہیرودس کے بعد مریم علیہ السلام بیت المقدس واپس آئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی بیت المقدس کے قریب مقام ناصرہ میں سکونت اختیار کی اور ایک قول کے مطابق اسی وجہ سے آپ کے متبعین کو نصاری کہا جاتا ہے۔([6])
تیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی اور یہ وحی آرامی زبان میں تھی۔ تورات کے بعد انجیل عظیم کتاب تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت کا آغاز کیا اور نبوت کے چند دن بعد خطبہ ایک پہاڑی پر چڑھ کر دیا۔ جسے خطبہ کوہ کہتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات سے عوام متاثر ہوئی لیکن مذہبی لوگ، کاہن، فریسی مخالف ہونے لگے کیونکہ ان کو اپنی مذہبی سیادت ختم ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی تو انھوں نے سازش تیار کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کی۔ بقول انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگر یہوداہ اسکریوتی کو ۳۰ دینار پہ جاسوسی کے لیے تیار کر لیا۔ حضرت عیسی بیت المقدس آئے۔ عہد فسح کا آخری کھانا پکایا۔ اور اللہ سے منہ کے بل گر کر دعائیں مانگی۔ اے میرے خدا یہ پیالہ (موت) مجھ سے ٹل جائے۔ تو اللہ تعالی نے تسلی دی ([7])

([1]) سورۃ مریم ۱۹: ۲۱، البدایہ والنہایہ ۲:۷۰
([2]) عہد نامہ جدید، لوقا، ۱:۲، اطلس القرآن ص ۲۱۱۔
([3]) سورۃ آل عمران ۳:۴۵
([4]) عہد نامہ جدید، لوقا ۱:۳۱، انبیائے قرآن ۳:۵۷۴
([5]) مفردات القران ۱:۹۵۷
([6]) عہد نامہ قدیم، استثناء ۳۳:۲، البدایہ والنہایہ ۲:۷۰
([7]) اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۲/ ۳۶۴- نیز عہد نامہ جدید متی: ۳۶:۲۶ تا ۴۰

قرآن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بکثرت ذکر موجود ہے۔ ابن مریم، مسیح اور عبد اللہ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ ظہور عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں دو مقام پر آیا ہے۔([1]) اور احادیث مبارکہ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ جب دشمنوں نے آپ علیہ السلام کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالی نے آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا اور خود گرفتار کروانے والے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل طاری کر دی تو اس کو حکومت کے اہلکاروں اور یہودیوں نے پھانسی پر چڑھادیا۔([2])

الغرض عیسی علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیا میں آخری نبی تھے اور یہود میں سے بھی اکثریت نے آپ علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ آپ کے قتل کے درپہ ہو گئے اور چند لوگ تھے جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا جن کو تاریخ میں نصاری کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

امت مسلمہ کی طرف مبعوث ہونے والے آخری نبی علیہ السلام:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

اہل سیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو تین حصوں میں بیان کیا ہے۔ ایک حصہ جس کی صحت پر اہل سیر کا اتفاق ہے یہ عدنان تک ہے دوسرا حصہ جس پر بعض متفق ہیں اور بعض نے اختلاف کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک، اور تیسرا حصہ جس میں تقریباً کچھ غلطیاں ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

نام ونسب:

محمدؐ بن عبد اللہ بن عبد المطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لُوئ بن غالب بن فہر بن مالک۔([3])

ولادت باسعادت:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول عام الفیل دوشنبہ (پیر) کو صبح کے وقت پیدا ہوئے۔ ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ء کی تاریخ تھی۔([4])

([1]) سورۃ آل عمران: ۳/ ۴۶، ۴۲- سورۃ مریم: ۳۱، ۲۷، ۲۳، ۲۲،

([2]) قصص القرآن،: ۴/ ۷۸، ۴۶ میں، نیز نصرانیت قرآن کی روشنی ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، بدون سنہ ص:۱۹

([3]) سیرت ابن ہشام، ۱/ ۲۰۱، رحمۃ للعالمین،: ۲/ ۱۱-۱۴

([4]) رحمۃ للعالمین،: ۱/ ۳۸

عبد المطلب نے آپ نام محمد رکھا۔ اور عرب دستور کے مطابق ساتویں دن ختنہ ہوا۔([1])

عرب کے شہری لوگوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری امراض سے دور رکھنے کے لیے اپنے بچوں کو دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالہ کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ عبد المطلب نے دودھ پلانے والی دایہ تلاش کی اور نبی علیہ السلام کو حضرت حلیمہؓ بنت ابی ذویب کے حوالے کیا([2])

واقعہ شق صدر:

آپ علیہ السلام مدت رضاعت کے بعد بھی حضرت حلیمہؓ کے پاس ہی رہے۔ یہاں تک مدت رضاعت کے چوتھے پانچویں سال شق صدر (سینہ مبارک کے چاک کیے جانے) کا واقعہ پیش آیا۔ اور بعض کے نزدیک یہ واقعہ تیسرے سال کا ہے۔([3])

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

نبی علیہ کے پاس جبریل علیہ لاسلام آئے۔ آپ علیہ السلام بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ لیا اور سینہ چاک کر کے دل نکالا اور پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر فرمایا کہ یہ تم سے شیطان کا حصہ ہے، اور پھر دل کو آب زم زم سے دھویا اور پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ لوٹا دیا۔ ادھر بچے دوڑ کر آپ کی ماں یعنی دایہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے محمد قتل کر دیا گیا ہے۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے، دیکھا تو آپ کا رنگ اترا ہوا تھا۔([4])

اس کے بعد آپ علیہ السلام اپنی والدہ کے پاس لائے گئے اور تقریباً چھ سال تک ماں کی آغوش میں رہے۔([5])

اس کے بعد حضرت آمنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی خادمہ ام ایمنؓ اور عبد المطلب کی معیت میں کوئی پانچ سو کلو میٹر کی مسافت طے کر کے اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ پہنچی، تقریباً ایک ماہ قیام کے بعد واپسی پر ابواء کے مقام پر وفات پاگئیں۔([6])

([1]) سیرت ابن ہشام، ۱/۱۵۹

([2]) الرحیق المختوم ص ۸۶

([3]) سیرت ابن ہشام، ۱/۱۵۹

([4]) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الاسراء۔۔۔، ص ۸۳، ح: ۲۶۱

([5]) سیرت ابن ہشام، ۱/۱۶۸

([6]) سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۸

اس کے بعد آپ علیہ السلام کو دادا عبد المطلب لے کر مکہ پہنچے۔ انھوں نے اپنے پوتے سے صلبی اولاد سے زیادہ محبت کی لیکن جب آپ علیہ السلام کی عمر مبارک ۸ سال دو مہینے ہوئی تو دادا عبد المطلب کا سایہ شفقت اٹھ گیا۔ انھوں نے وفات سے قبل اپنے بیٹے ابو طالب کو آپ علیہ السلام کی کفالت کی وصیت کی تھی۔([1])

جب آپ علیہ السلام کی عمر مبارک بارہ برس ہوئی تو آپ کے چچا ابو طالب آپ علیہ السلام کو ساتھ لے کر شام کی طرف نکلے اور بصری پہنچے بصری شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے اس وقت یہ جزیرہ العرب کے رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا۔ جو بحیرا کے لقب سے معروف تھا۔ جب قافلہ نے وہاں پڑاؤ ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالنکہ وہ اس سے پہلے کبھی نہیں نکلتا تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پہچان لیے اور کہا کہ یہ سید المرسلین ہیں۔ بلکہ راہب نے ابو طالب سے کہا کہ اس کو شام نہ لے جاؤ کیونکہ وہاں یہود سے خطرہ ہے۔([2])

جنگ فجار:

جب آپ کی عمر پندرہ برس تھی تو جنگ فجار پیش آئی۔ ایک طرف قریش اور بنی کنانہ اور دوسری طرف قیس عیلان تھے۔ اور آپ کا کردار بس اتنا ہی تھا کہ آپ اپنے چچاؤں کو تیر اٹھا کر دیتے تھے۔([3])

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب پچیس سال ہوئی تو حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام تشریف لے گئے۔ حضرت خدیجہ ایک مال دار خاتون تھیں۔ وہ لوگوں کو اپنا مال تجارت کے لیے دیتی تھیں اور جب انھوں نے نبی علیہ السلام کی امانت داری دیکھی تو غلام میسرہ کے ساتھ شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے کی پیشکش کی جس کو نبی علیہ السلام نے قبول فرمایا اور جب نبی علیہ السلام واپس مکہ پہنچے تو حضرت خدیجہؓ نے اپنے مال میں برکت اور امانت دیکھی اور غلام میسرہ نے آپ کے اچھے اخلاق سے متعلق بتایا تو اس وقت انھوں نے نبی علیہ السلام کو شادی کا پیغام پہنچایا۔ جس کو آپ علیہ السلام نے قبول کیا اور حضرت خدیجہؓ پہلی خاتون تھیں جن کی وفات تک آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔([4])

([1]) سیرت ابن ہشام ۱/۱۶۸

([2]) زاد المعاد،:۱/۱۷ سیرت ابن ہشام،۱/۱۸۰-۱۸۳

([3]) سیرت ابن ہشام،۱/۱۸۴،

([4]) سیرت ابن ہشام ۱/۱۸۷-۱۸۸

ابراہیم کے علاوہ باقی ساری اولاد ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ سب سے پہلے قاسم پھر زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ اور عبد اللہ علیھم السلام پیدا ہوئے۔ باقی تمام بچے آپ علیہ السلام کی زندگی میں فوت ہو گئے سوائے فاطمہ رضی اللہ عنہا ان کی وفات آپ علیہ السلام کی وفات کے ٦ ماہ بعد ہوئی۔([1])

کعبہ کی تعمیر اور حجر اسود کے متعلق آپ کا فیصلہ:

آپ کی عمر کا پینتیسواں سال تھا کہ قریش نے نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی کیونکہ عمارت خشکی کا شکار ہو چکی تھی اور دیواریں پھٹ گئی تھیں اور سیلاب آیا جس کی وجہ سے عمارت گرنے کا خطرہ تھا۔

اس وقت قریش نے فیصلہ کیا کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال رقم خرچ کی جائے گی۔ پرانی عمارت گرانے سے سب لوگ ڈرتے تھے لیکن ولید بن مغیرہ مخزومی نے ابتداء کی تو پھر سب لوگوں نے بھی ڈھانہ شروع کیا اور دوبارہ تعمیر کی تو جب حجر اسود تک دیوار پہنچی تو حجر اسود کے رکھنے پر اختلاف ہوا۔

قریب تھا کہ خون خرابہ ہو جائے گا لیکن ابوامیہ مخزومی نے فیصلہ کیا جو کل سب پہلے مسجد حرام میں داخل ہو گا اس کی بات مان لی جائے گی۔ اللہ کی مشیت کے سب سے پہلے آپ علیہ السلام داخل ہوئے اور آپ کو امین مقرر کر لیا گیا۔ آپ علیہ السلام نے ایک چادر منگوائی اس میں حجر اسود رکھا اور تمام سرداروں کو کہا کہ سب چادر کا کنارہ پکڑ کے اوپر اٹھائیں جب چادر حجر اسود تک پہنچی تو آپ نے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی مقررہ جگہ پر رکھ دیا۔([2])

نبوت ورسالت:

جب آپ کی عمر چالیس برس ہوئی اور آپ غار حرا میں تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس قرآن مجید کی چند آیات لے کر آئے۔([3])

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی علیہ السلام پر وحی کی ابتداء نیند میں اچھے خواب سے ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے وہ سپیدہ صبح کی طرح نمودار ہوتا تھا پھر آپ کو تنہائی محبوب ہو گئی۔ چنانچہ آپ غار حرا میں خلوت اختیار فرماتے اور کئی کئی رات گھر تشریف لائے بغیر مصروف عبادت رہتے۔ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا پڑھو، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں اس پر اس نے مجھے زور سے پکڑ کر دبایا پھر چھوڑ کر کہا پڑھو، میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس نے تیسری بار پکڑ کر دبوچا پھر چھوڑ کر کہا! اقراء باسم ربک الذی خلق۔ ان آیات کے ساتھ آپ علیہ السلام پلٹے آپ کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس تشریف لائے اور

([1]) فتح الباري، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار السلام ریاض، طبع اولی، ١٤٢١،، ٧/ ١٠٥ ابن ہشام، ١/ ١٩٠

([2]) الرحیق المختوم، ص: ٩٢

([3]) ایضاص: ٩٢

فرمایا مجھے چادر اوڑھادو مجھے چادر اوڑھادو جب چادر اوڑھادی تو آپ کا خوف جاتا رہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا قطعاً نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صلح رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ بیواوں کا سہارا بنتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب میں اعانت کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ علیہ السلام کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ کے پاس لے گئیں۔ وہ دور جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے اور عبرانی زبان جانتے تھے۔ انھوں نے جب نبی علیہ السلام سے واقعہ سنا تو کہا یہ وہی ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ کاش میں اس وقت توانا ہوتا۔ کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا یہ قوم مجھے یہاں سے نکال دے گی۔ ورقہ نے کہا ہاں۔ جب بھی کوئی اس طرح کا پیغام لے کر آیا تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی اور اگر میں تمہارے زمانہ میں ہوتا تو تمہاری مدد کرتا۔ اس کے بعد ورقہ جلد ہی فوت ہوگئے اور وحی رک گئی۔([1])

دعوت و تبلیغ:

خفیہ تبلیغ سے دعوت کا آغاز ہوا اور ایک روز عرب کے دستور کے مطابق کوہ صفا پر چڑھ کر یہ آواز لگائی: یا صباحاہ (ہائے صبح) یہ پکارا۔ سن کر قریش کے قبائل آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے ان کو خدا کی توحید اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ فرمایا! تم لوگ یہ بتاؤ! اگر میں یہ خبر دوں کہ ادھر وادی میں شہسواروں کی ایک جماعت ہے جو تم پر چھاپہ مارنا چاہتی ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ لوگوں نے کہا ہاں! ہم نے آپ کو سچا ہی پایا ہے۔ فرمایا! لوگوں میں تمہیں ایک سخت عذاب سے پہلے خبردار کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اس پر ابولہب نے کہا! تو سارے دن غارت ہو تو نے ہم کو اس لیے جمع کیا ہے۔ اس پر سورۃ ابی لہب نازل ہوئی۔([2])

اس کے بعد قریش نے آپ کی مخالفت کا آغاز کیا۔ مکہ کی زمین کو آپ پر تنگ کر دیا گیا۔ دعوت کے میدان میں آپ علیہ السلام کی آواز کو مکمل دبانے کی کوشش کی اور آپ علیہ السلام نے ہر صبح اور ہر شام ان کو دعوت دی یہاں تک کے طائف کے میدان میں ان لوگوں نے ظلم کی انتہا کی تب بھی نبی علیہ السلام ان کو دعوت الی اللہ دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کے ظلم اور جور کی وجہ سے کچھ لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی لیکن مشرکین مکہ سرزمین مکہ پر مسلمانوں کا وجود برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ وہ غریب مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں ہجرت مدینہ جو مسلمانوں کے لیے مشرکین مکہ کے ظلم اور جبر سے بچنے اور مدینہ میں اپنی دعوت جاری رکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ تھی کا حکم اللہ کی طرف سے مل گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی کے اہم

([1]) صحیح بخاری، باب کیف کان بدا ٓالوحی ح ا ص ا

([2]) صحیح بخاری کتاب التفسیر ح ۴۹۸۲ ص ۸۹۱

واقعات جن کا تذکرہ میں امت مسلمہ کی مختصر تاریخ میں کر چکا ہوں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

واقع معراج:

مکی زندگی کے اہم واقعات میں سے ایک اہم واقعہ اسراء معراج کا ہے۔ اس بارے میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے کہ معراج کب ہوئی۔ بعض علماء کے اقوال کچھ یوں ہیں:

۱۔ امام طبریؒ فرماتے ہیں جس سال نبوت دی گئی۔

۲۔ امام نوی اور امام قرطبی: نبوت کے پانچویں سال۔

۳۔ علامہ منصور پوریؒ: نبوت کے دسویں سال ۲۷ رجب کو ہوئی۔

۴۔ نبوت کے بارویں سال ہوئی۔

۵۔ نبوت کے تیرویں سال محرم میں ہوئی۔

۶۔ ہجرت سے ایک سال قبل نبوت کے تیرویں سال ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔ ([1])

ان اقوال میں پہلے تین اقوال صحیح نہیں کیونکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے ہوئی تھی اور اس بات پر اتفاق ہے کہ پانچ نمازیں معراج کی رات فرض ہوئیں۔ باقی آخری تین اقوال تو ان کو ترجیح دینے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ البتہ سورۃ اسراء کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی زندگی کے بالکل آخری دور کا ہے۔ ([2])

غرض جب مشرکین مکہ نے آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کی مجرمانہ قرارداد منظور کی تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ علیہا السلام کو قریش کی اس ناپاک سازش سے آپ علیہ السلام کو آگاہ کیا مدینہ کی طرف روانگی کی اجازت دے دی ([3])

نبی علیہ السلام ۲۷ صفر ۱۴ نبوت بمطابق ۱۲۔۱۳ ستمبر ۶۲۲ء اپنے گھر سے نکلے اور دوشنبہ ۸ (پیر) ربیع الاول ۱۴ نبوت ۱ھجری بمطابق ۲۳ ستمبر ۲۶۲ء کو قباء میں پہنچے۔ ([4])

مدینہ کے بچے بوڑھے عورتیں سب نے پرجوش استقبال کیا اور ہر انصاری کی یہ خواہش تھی کہ رسول اللہ اس کے ہاں قیام فرمائیں۔

([1]) زاد المعاد،:۲/ ۴۹

([2]) الرحیق المختوم، ص:۱۹۷

([3]) سیرت ابن ہشام،:۱/ ۴۸۲، نیز صحیح بخاری، باب ھجرۃ النبی ﷺ ص ۶۵۶ ح ۳۹۰۲

([4]) رحمۃ للعالمین،:۱/ ۱۰۲

غرض مدنی دور میں اسلام دشمنوں نے فتنے برپا کیے رکاوٹیں کھڑی کیں اور باہر والے دشمنوں نے بھی مدینہ پر چڑھائیاں کیں اور صلح حدیبیہ ذوالقعدہ ٦ ھ تک یہ سلسلہ ختم ہوا اور پھر مشرکین سے صلح ہوئی جو کہ رمضان ٨ ھجری فتح مکہ تک کا دورانیہ ہے اور پھر لوگ دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

فتح مکہ کے بعد حج کی سعادت حاصل کی تو جس میں بعض مقامات پر آپ کی باتوں سے محسوس کر لیا گیا تھا کہ اب آپ اس دنیا میں زیادہ عرصہ نہیں رہیں گے جبکہ حج کے دوران لوگوں سے یہ کہنا! ارکان حج مجھ سے اچھی طرح سیکھ لو ہو سکتا ہے تم مجھے آئندہ نہ پاؤ۔ اور اسی طرح سورۃ النصر کا نازل ہونا وغیرہ۔

اور صفر ١١ ھجری میں دامن احد میں شہداء احد کے لیے دعا فرمانے چلے گئے اور پھر واپس آکر منبر پر بیٹھے اور فرمایا۔ میں اس وقت اپنا حوض (حوض کوثر) دیکھ رہا ہوں مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں اور مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اندیشہ اس بات کا ہے دنیا طلبی میں باہم مقابلہ کرو گے۔([1])

٢٩ صفر کو بقیع میں ایک جنازے کے ساتھ تھے واپسی پر سر درد ہوا گیارہ دن اس مرض میں نماز پڑھائی اور دن بدن طبیعت زیادہ خراب ہوتی گئی اور آپ اپنی ازواج مطہرات سے پوچھتے تھے میں کل کہاں ہوں گا۔ چنانچہ ایک دن حضرت علی اور حضرت فضل بن عباس کا سہارا لے کر مسجد آئے اور اس دوران آپ نے مختلف اوقات میں اپنے صحابہ کو مختلف وصیتیں کیں کہ میری شان میں بھی یہود و نصاری کی طرح غلو نہ کرنا، میری قبر کو بت گاہ نہ بنا دینا کہ اس کی پوجا کی جائے۔([2])

وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

آج بھی جب انسان آپ کی وفات سے متعلق سوچتا ہے تو آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ دن چڑھے چاشت کے وقت آپ علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور ان سے سرگوشی کی تو وہ رونے لگی اور پھر ان کو بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بعد میں میں نے پوچھا تو کہا کہ پہلی بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ آپ اس مرض میں وفات پا جائیں گے اس لیے میں روئی اور پھر آپ نے مجھے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا آپ کے اہل وعیال میں میں سب سے پہلے میں آپ کے پیچھے جاؤں گیا اس پہ میں ہنسی۔([3])

([1]) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب احد جبل یحبنا ونحبہ، ص ٦٩١، ح: ٤٠٨٥

([2]) موطا امام مالک ص ٩٥

([3]) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ٤٤٧٥ ص ٧٧٥

غرض آپ کی تکلیف بڑھتی گئی اور حسن وحسین رضی اللہ عنہا کو بلوایا اور ازواج مطہرات کو وعظ ونصیحت بھی کی اور اس دوران یہ بھی فرمایا:

(الصلاۃ الصلاۃ وما مالکت ایمانکم۔)([1])ترجمہ: نماز، نماز اور تمہارے زیر دست، ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسواک مانگا تو انھوں نے مسواک دیا تو وہ سخت تھا۔ اشارہ کیا نرم کرو اور پانی میں ہاتھ ڈال کر منہ پر پھیرتے اور فرماتے تھے "لا الہ الا اللہ" موت کے لیے سختیاں ہیں۔([2])

اور جب مسواک سے فارغ ہوئے اور انگلی اٹھائی نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پہ کچھ حرکت آئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ فرما رہے تھے "ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا، اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر اور مجھے رفیق اعلیٰ میں پہنچا دے "الھم بالرفیق الاعلی۔"([3])

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ایک بہت بڑا حادثہ تھا جس کی وجہ سے صحابہ کرام اپنے ہوش بھی کھو بیٹھے۔ حضرت عمر جیسے جلیل القدر صحابی کہنے لگے جو کہے گا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں ان کی گردن اتار دوں گا یہاں تک ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بار بار سمجھانے اور آیات قرآنیہ سے ان کو سمجھایا۔([4])

تجہیز و تکفین و تدفین:

منگل والے دن آپ علیہ السلام کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا۔ حضرت عباس، حضرت علی، حضرت عباس کے دو صاحبزادے فضل اور قثم آپ علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام شقران، حضرت اسامہ بن زید اور عوس بن خولی رضوان اللہ علیہ اجمعین نے غسل دیا۔ اور پھر تین سفید یمنی چادروں میں کفن دیا گیا۔([5])

تو اس طرح نبی ﷺ اس جہان فانی سے اپنے رب کی جانب روانہ ہوئے۔

([1]) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجا فی مرض رسول اللہ ﷺ ح،۱۶۱۴

([2]) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ح ۴۴۴۹ ص ۷۵۶

([3]) صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرض النبی ووفاتہ ح ۴۴۳۵ ص ۷۵۶

([4]) سیرت ابن ہشام، ۲/ ۶۵۵

([5]) صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب الثیاب البیض للکفن، ص ۲۰۲، ح:۱۲۶۳

باب دوم

یہود اور امت مسلمہ کے اسباب عروج مین مماثلت

فصل اول: یہود کے اسباب عروج

فصل دوم: امت مسلمہ کے اسباب عروج

فصل سوم: دونوں کے اسباب عروج مین مماثلث

فصل اول: یہود کے اسباب عروج

عروج کا مفہوم:

لغوی اعتبار سے عروج بلندی اور ترقی اقتدار کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔

عربی زبان میں "عرج یعرج عروجا" اس کا معنی چڑھنا بلند ہونا۔[1]

انگریزی زبان میں اسکا ہم معنی لفظ Rice ہے۔اور Collins Eng Dictionary کے مطابق اس کے معانی ہیں۔

1: To move from to higher position.

2: To increase in streght and hight.

3: To attain higher rank,status or reputation.[2]

مذکورہ عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ نچلی سطح سے اوپر کی طرف جانا اور بلندی میں اضافہ کرنا، اعلی عہدہ، اور اعلی معیار حاصل کرنا۔

عروج کا اصطلاحی معنی:

کسی قوم کا سیاسی، تنظیمی، اور دفاعی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی طور پر ایسی بلندی حاصل کرنا کہ اقوام عالم کی نظریں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔[3]

ظاہری طور پر اقتدار ہی عروج ہوتا ہے لیکن اس کے پیچھے وہ سارے عوامل کار فرما ہوتے ہیں جن کی بنیاد پر قومیں قوت حاصل کرتی ہیں

روزِ اول سے رب تعالیٰ کا یہ دستور و قانون رہا ہے، جس قوم میں دنیا کے نظام کو چلانے کی قوت وطاقت ہوتی ہے نیابت اسی کو ملتی ہے۔اگر صالح لوگ اس قدر ہوں تو سب سے پہلے وہ اسکے لائق ہوتے ہیں تو بنی انسان کی قیادت ان کو دی جاتی ہے۔غرض بنی اسرائیل جب تک انسانی تعلیمات کی روشنی میں ہدایت و ضلالت کی تمیز کے ساتھ زندگی گزارتے رہے اور اوروں کو بھی اس کا درس دیتے رہے۔اللہ تعالیٰ نے انہی کو دنیا کی خلافت و نیابت دی اور جلیل القدر انبیاء علیہم السلام ان کی طرف مبعوث کیے جن کی حکومت کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

---

[1] فیروز اللغات ص ۴۳۷

[2] COllins Eng Dictoary,Harpercollins in Glasgow,1979,p342

[3] tha post sovit decline of central Asia Erie W.Sievers p 18 .26

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ (1)

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: "اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں دی تھی، اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تم کو فرمانروا بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا۔

آیتِ کریمہ سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہود کو دین و دنیا دونوں کی اعلیٰ نعمتوں سے سرفراز کیا تھا اور دینی مناصب میں سب سے بڑا منصب نبوت اور دنیاوی زندگی میں آزادی اور حکومت ہیں جو کہ انہیں عطا کی گئیں۔

یہ بات عیاں ہے جس طرح کسی قوم کے زوال کی کچھ وجوہات ہوتی ہیں تو عین اسی طرح اس کی بلندیوں کے بھی اسباب و وجوہات ہوتے ہیں تو اسی ضمن میں یہاں پر یہود کے عروج کے اسباب ذکر کئے جاتے ہیں۔

قرآن مجید کا مطالعہ اور فرامین الہی میں غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالی نے عروج وزوال کے اسلوب اپنے بندوں کو بتائے ہیں اور ان اسالیب کا تعلق صرف مذہب سے نہیں بلکہ اگر کوئی قوم وہ کسی بھی مذہب کی پیروی نہ کر رہی ہو لیکن ان اسالیب کی وجہ سے وہ عروج کی بلندیوں کو چھو سکتی ہے۔

کتاب عطاء ہونا:

اللہ تعالی نے ذکر عروج بنی اسرائیل میں سب سے پہلے جس چیز کا تذکرہ فرمایا وہ کتاب الٰہی ہے۔ اللہ تعالی نے یہود کو تورات جیسی عظیم کتاب عطاء کی۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِىٓ اِسْرٰٓئِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ (2)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب و حکومت اور نبوّت عطا فرمائی اور ہم نے انہیں پاک روزیاں دیں اور انہیں ان کے زمانہ والوں پر فضیلت بخشی۔

کتاب سب سے بڑی علامت ہے علم قانون، معاشرت، ثقافت اور تہذیب کی تو اس لیے اللہ تعالی نے ان کے عروج کے ذکر میں سب سے پہلے کتاب اللہ کا ذکر کیا۔ یہود پر اللہ تعالی نے تورات نازل فرمائی جو ہدایت کا سرچشمہ تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ﴾(3) ترجمہ: بیشک ہم نے نازل کی تورات جس میں ہدیت اور روشنی ہے۔

---

(1) سورۃ المائدۃ۵:۲۰

(2) سورۃ الجاثیہ ۴۵:۱۶

(3) سورہ المائدہ:۵:۴۴

حکومت عطاء ہونا:

بنی اسرائیل کے اسباب عروج میں دوسری جو قابل ذکر چیز ہے وہ اللہ تعالی کی طرف سے اقتدار ہے کیونکہ کتاب الٰہی ہو یا قانون اور دنیا کے قانون میں اطلاق تب ہی ممکن ہے جب حکومت اور اقتدار بھی حاملین کتاب و قانون کے پاس ہو گا۔اوراللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو یہ موقع بخشا ان کو حکمرانی عطا فرمائی اور ان کی حکومت تقریباً چار صدیوں تک قائم رہی مگران کو دبدبہ حکومت حاصل نہ ہو سکا، شکستیں بھی کھاتے رہے اور طالوت کے ساتھ کھڑے ہوئے تو اللہ تعالی نے ان کو جالوت پر غلبہ عطاء کیا۔

اقتدار کسی ملک کے استحکام کی صورت ہوتا ہے اور اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کو نہ صرف حکومت دی بلکہ مطلق العنان حکومتیں دیں۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِه يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَّاٰتٰكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِينَ﴾ (1)

ترجمہ: اور جب موسٰی نے کہا کہ اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں میں سے بادشاہ بنائے اور تمہیں وہ دیا جو سارے جہان میں کسی کو نہ دیا۔

یہ اشارہ اس عظمت کی طرف ہے جو بنی اسرئیل کو حضرت موسی علیہ السلام سے بہت پہلے حاصل تھی، حضرت ابراہیم ،حضرت اسحاق، حضرت یعقوب،اور حضرت یوسف علیہم السلام جیسے جلیل القدر انبیاءان کی قوم میں پیدا ہوئے اور دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اور ان کے بعد مصر میں ان کو بڑا اقدار نصیب ہوا۔

نبوت عطاہونا:

اگرچہ وقت کے ساتھ ساتھ یہود کی مذہبی میراث تحریف کا شکار ہوتی رہی لیکن اس کے باوجود نبوت کی عطاکے متعلق کتاب مقدس میں صراحت ہے کے یہ خاص اللہ کی طرف سے ہے جیسا کہ کتاب خروج میں ہے۔

"کسی کو نبوت کے منصب پر فائض کرنا خدا کا کام ہے"(2)

اللہ تعالی نے بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔نبوت رب تعالی کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے کیونکہ یہ انسانیت کیلئے آسمانی رہنمائی ہے کیونکہ یہ رہنمائی اس حکیم ذات کی طرف سے ہوتی ہے جس کی طرف سے ہر

---

(1) سورۃ المائدہ:۵:۲۰

(2) خروج۳: ۱۔۴

چیز یقینی اور فائدہ مند ہوتی ہے اور جتنا وقت وہ پیغمبر اس قوم میں ہوتا ہے وہ اُس کے لیے عروج کا سبب وذریعہ ہوتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالی کی طرف سے عطا کردہ کتاب کا سب سے زیادہ جاننے والا اور سمجھنے والا ہوتا ہے۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِه يٰقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنبِيَاءَ﴾ ([1])

ترجمہ: اور جب موسٰی نے کہا کہ اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر بنائے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو اللہ تعالی کی نعمتیں یاد کروا رہے ہیں کہ اس نے ایک کے بعد ایک نبی تم میں سے بھیجا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد اُن ہی کی نسل میں نبوت رہی یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید واتباع دیتے رہے۔" ([2])

علم اور علم کی حفاظت:

بنی اسرائیل کی عروج میں علم اور پھر علم کی حفاظت ایک اہم ترین عنصر ہے۔ اللہ تعالی نے حضرت داوٗد علیہ السلام اور انکے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کو خصوصی علم عطاء کیا اور اسی وجہ سے تاریخ میں یہ دور یہود کے عروج وبلندی کا دور شمار کیا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ اٰتَينَا دَاود وَسُلَيمٰنَ عِلْمًا﴾([3])

ترجمہ: اور بیشک ہم نے داوٗد اور سلیمان علیہا السلام کو بڑا علم عطا فرمایا۔

اس علم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَوَرِثَ سُلَيمٰنُ دَاوُدَوَقَالَ يٰاَيُّهَاالنَّاسُ عُلِّمْنَامَنطِقَ الطَّيرِوَاُوتِينَا مِن كُلِّ شَیءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُالْمُبِينُ﴾([4])

ترجمہ: اور سلیمان داوٗد کا جانشین ہوا کہا اے لوگو ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی اور ہر چیز میں سے ہم کو عطا ہوا بیشک یہی ظاہر فضل ہے۔

اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کے ذریعے جاسوسی اور دور دراز کے علاقوں سے خبریں لانے کا انوکھا علم حاصل تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ملکہ سبا اور اسکی مملکت کا ذکر ملتا ہے۔

([1]) سورۃ المائدہ:۵:۲۰

([2]) تفسیر ابن کثیر ۵:۱۴۳

([3]) سورۃ النمل ۲۷:۱۴

([4]) ایضا ۲۷:۱۶

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ حُشِرَ لِسُلَیمٰنَ جُنُودُہُ مِنَ الجِنِّ وَالْاِنسِ وَالطَّیرِ فَھُمْ یُوزَعُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: اور جمع کئے گئے سلیمان کے لئے اس کے لشکر جنّوں اور آدمیوں اور پرندوں سے تو وہ روکے جاتے تھے۔

یہ علوم ان کی نسل میں چلتے رہے اور آئے روز بڑھتے رہے یہاں تک حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکروں سے کہا کون ہے جو ملکہ سبا کا تخت میرے پاس لے آئے۔

﴿قَالَ عِفْرِیتٌ مِّنَ الجِنِّ اَنَا اٰتِیکَ بِہٖ قَبْلَ اَن تَقُومَ مِن مَّقَامِکَ وَ اِنِّی عَلَیہِ لَقَوِیٌّ اَمِینٌ﴾ ([2])

ترجمہ: کہا عفریت نے جو جنوں میں سے تھا وہ تخت میں حاضر کردوں گا قبل اس کے کہ آپ اجلاس برخاست کریں اور میں بیشک اس پر قوت والا امانتدار ہوں۔

لیکن علم رکھنے والے انسان نے کہا کہ میں پلک جھپکنے کی دیر میں لا دیتا ہوں۔

﴿قَالَ الَّذِی عِندَہُ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیکَ بِہٖ قَبْلَ اَن یَّرْتَدَّ اِلَیکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِندَہُ قَالَ ھٰذَا مِن فَضْلِ رَبِّی لِیَبْلُوَنِی ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ وَمَن شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہ وَمَن کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّی غَنِیٌّ کَرِیمٌ﴾ ([3])

ترجمہ: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حاضر کردوں گا ایک پل جھپکنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔

غرض یہ علم اُن کے عروج کا بہت بڑا سبب تھا۔ ان علوم کے اعجاز میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حضرت داوٗد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے دور میں پہاڑوں کو مکمل طور پر مسخر کر دیا گیا اور ان تسخیرات کی وجہ سے تمام معلوم کائنات حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور تک فتح کر لی گئی۔ یہاں تک کہ ہوا بھی انکی تابع تھی اور جن وشیاطین انکا حکم بجالاتے تھے۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اور جب فلسطین میں بنی اسرائیل سیاسی طور پر مغلوب ہونے لگے اور مشرک اقوام نے متحد ہو کر ان کو فلسطین سے بے دخل کر دیا تو ان میں جہاد کا داعیہ پیدا ہوا انہوں نے اس دور کے نبی حضرت سموئیل سے درخواست کی ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے تاکہ وہ قومی حیثیت سے مشرکوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اور حضرت سموئیل

([1]) سورۃ النمل ۲۷:۲۲

([2]) ایضاً ۲۷:۳۹

([3]) ایضاً ۲۷:۴۰

علیہ السلام نے طالوت کو انکا بادشاہ مقرر کیا۔

تو ان کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالی نے طالوت کی قیادت میں مشرکوں کو شکست دی اور انہوں نے اپنا اقتدار قائم کیا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَينَاَ صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ﴾ ([1])

ترجمہ: پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکر انہوں نے عرض کی اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل اور ہمارے پاؤں جمے رکھ کافر لوگوں پر ہماری مدد کر۔

﴿فهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُودُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَادَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾([2])

ترجمہ: پس اللہ تعالی کے حکم سے انہوں نے جالوت کو شکست دی اور حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت قتل ہوا اور اللہ تعالی نے داود علیہ السلام کو مملکت وحکمت اور جتنا چاہا علم دیا۔ اگر اللہ تعالی بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرتا تو زمیں میں فساد پھیل جاتا لیکن اللہ تعالی دنیاوالوں پر بڑا افضل کرنے والا ہے۔

توحید:

توحید الٰہی کسی قوم کے عروج کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کیونکہ عروج وزوال دینے والی ذات اللہ ہے۔

فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيرُ اِنَّکَ عَلٰى كُلِّ شَیءٍ قَدِيرٌ﴾ ([3])

ترجمہ: جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے۔

نبوت کے مقاصد میں سے جو سب سے پہلا اور اہم مقصد ہے وہ یہی ہے لوگوں کو صرف ایک اللہ کے در پہ جھکانا، چنانچہ قرآن مجید اس بات کو بڑی تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِه فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُم مِّنْ اِلٰهٍ غَيرُه اِنِّی اَخَافُ عَلَيكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾([4])

ترجمہ: بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے

([1]) سورۃ البقرہ:۲:۲۵۰

([3]) ایضا:۲:۲۵۰

([3]) سورۃ آل عمران ۳:۲۶

([4]) سورۃ الاعراف ۷:۵۹

شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

تو بنی اسرائیل نے بھی جب تک توحید کے دامن کو مضبوطی سے تھاما تو وہ تاریخ میں عروج و بلندیوں پر قائم رہے حضرت داود علیہ السلام کا دور اور پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے اقتدار کا سکہ مشرق وسطی جو کہ اس دور کی تہذیب کا مرکز تھا پر چلنا شروع ہو گیا۔

اور اسکی واضح مثال ملکہ سبا کا واقع ہے جو سورۃ نمل [1] میں تفصیل سے موجود ہے۔ اور عقیدہ توحید کی بدولت اللہ تعالی نے ان کو اتنی پاور دی ملکہ سبا اپنے تخت سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ آئی اور اللہ تعالی پر ایمان بھی لے آئی۔ توحید ہی تھی جس کی طرف یہود کو انبیاء نے دعوت دی تھی۔

تورات میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یہود کو ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ کتاب استثنا میں ہے:

"میرے آگے تو اور معبودوں کو نہ ماننا۔ تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے، تو اُن کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ انکی عبادت کرنا کیوں کہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں [2]"

اگرچہ وقت گزرنے کے ساتھ یہود میں شرک داخل ہو گیا لیکن مذکورہ تورات کی آیت یہود کے ہاں عقیدہ توحید کے تصور کی وضاحت کرتی ہے۔ غرض قرآن اور حدیث میں اور خود تورات میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ کہ بنیادی چیز جو اللہ تعالی اپنے انبیاء کے ذریعے اپنے بندوں کو بتائی وہ عقیدہ توحید ہے۔

اقوام عالم پر فضیلت:

دنیا کی ساری قومیں، خاندان اور انکے افراد اللہ تعالی کی مخلوق ہیں اور آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے میں یہ برابر ہیں۔ اللہ تعالی کے ہاں برتری عمدہ صفات اور خوبیوں کی وجہ سے ہے نہ کہ کسی خاندان کا فرد ہونا یا کسی نسل سے ہونا کوئی معنی رکھتا ہے۔ ہدایت، علم و حکمت یہ تین ایسی چیزیں ہیں جو مجموعی طور پر اس وقت بنی اسرائیل کے پاس تھیں۔ اس لیے اُن کی بزرگی مسلم تھی۔

اقوام عالم پر یہود کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿يٰبَنِي اِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيكُمْ وَاَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ﴾ [3]

ترجمہ: اے اولادِ یعقوب یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اس سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی۔

---

[1] سورۃ النمل ۲۷:۲۲

[2] استثناء ۵:۷

[3] سورۃ البقرہ ۲:۴۷

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت مبارکہ کے بارے میں رقم طراز ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:
''اُن نہروں کو یاد دلایا جارہا ہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں، مثلاً پتھر سے نہروں کا جاری کرنا، اور من و سلویٰ اتارنا، فرعونیوں سے آزاد کرنا اور ان ہی میں انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا اور انکو سلطنت اور بادشاہت عطا کرنا ہے ''([1])
اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:
﴿وَ لَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾ ([2])ترجمہ: اور بے شک ہم نے انہیں دانستہ چُن لیا اس زمانہ والوں سے۔
اور اسی لیے امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: "اور جو فضلیت بنی اسرائیل کو اللہ تعالی نے دی تھی وہ علم کی بنیاد پر تھی "([3])
لیکن اس کے باوجود یہود نے اللہ تعالی کے اتنے بڑے فضل و احسان کی قدر نہ کی اور اللہ تعالی کا شکر بجالانے کے بجائے ناشکری والا پہلو اختیار کیا۔

فتوحات:

فتوحات بھی اگرچہ جہاد کی بدولت ہی ہوتی ہیں لیکن کسی قوم کے عروج کا بڑا سبب ہیں اور بنی اسرائیل انکو ہر اس جگہ اور ملک پر فتح حاصل ہوئی جو اس وقت قابل ذکر تھا۔ اور ان فتوحات میں ملکہ سبا کے ملک کی فتح قابل ذکر ہے۔ قوم سبا کے ساکن اور باغات اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے نشانی تھی۔
جیسا کہ اللہ تعالی اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
﴿لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتَانِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَه بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ﴾([4])
ترجمہ: بیشک سبا کے لئے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ داہیں اور بائیں اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے والا رب۔

اور اسی ضمن میں ذوالقرنین کی فتوحات بھی آتی ہیں۔ ذوالقرنین ایک عظیم فاتح حکمران تھا۔ ذوالقرنین نے مشرق و مغرب کی انتہا تک اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑھے۔ اور اس کو یاجوج وماجوج کی خبر دی گئی تھی اس نے قوم کے بچاؤ کے لیے لوہے کے تختوں کے درمیان سیسہ پگھلا کر بھر دیا اور انکا راستہ روک دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

([1]) تفسیر طبری ۱:۳۲
([2]) سورۃ الدخان ۴۴:۳۲
([3]) تفسیر ابن ابی حاتم، ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن المنذر الرازی، مکتبہ نزار المصطفی الباز، مملکہ السعودیہ العربیہ، طبعہ ثالثہ، ۱۴۱۹، ۱:۱۰۴
([4]) سورۃ سباء ۳۴:۱۵

﴿وَ يَسْئَلُونَکَ عَن ذِی الْقَرْنَینِ قُلْ سَاَتْلُوا عَلَیکُم مِّنْهُ ذِکْرًا اِنَّا مَکَّنَّا لَهُ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَینٰهُ مِن کُلِّ شَیءٍ سَبَبًا فَاَتْبَعَ سَبَبًاحَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ---﴾ ([1])

ترجمہ: اور تم سے ذوالقرنین کا پوچھتے ہیں تم کہو میں تمہیں اس کا ذکر پڑھ کر سناتا ہوں بیشک ہم نے اسے زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا تو وہ اس سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا۔

اس قسم کی فتوحات اللہ تعالی کی مدد سے ہی ممکن ہیں اور ان سے انسان کا ایمان مضبوط ہونا چاہیے اور دل میں اطاعت اور فرمانبرداری ہونی چاہے، لیکن یہود کا معاملہ اس کے برعکس رہاہے۔

انعاماتِ الٰہی:

یہود پر اللہ تعالی نے اپنی بے شمار نعمتیں اتاریں اور انعامات کا عطا ہونا اصل میں انکے عروج اور خصوصاً زمانہ عروج کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور یہی چیز قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ انعامات کی ناشکری کرنے والے تھے پر پھر بھی اُن کو انعامات عطا ہوتی رہیں اللہ تعالی نے انبیاے کرام علیہم السلام کی بعثت سے انکی مدد کی اُن کو عروج بخشا جبکہ یہ لوگ فرعون کی غلامی میں بدترین زندگی بسر کررہے تھے۔

اللہ تعالی نے جو انعامات یہود کو عطاء کیے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

یہود پر اللہ تعالی نے جو انعام کیے انکا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿یٰبَنِی اِسْرَاءِیلَ اذْکُرُوا نِعْمَتِیَ الَّتِی اَنْعَمْتُ عَلَیکُمْ وَاَوْفُوا بِعَهدِی اُوفِ بِعَهدِکُمْ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُونِ﴾ ([2])

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔

امام طبری اس آیت مبارکہ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

ترجمہ: "اُن نہروں کو یاد دلایا جارہاہے جو قدرت کاملہ کی بڑی بڑی نشانیاں تھیں، مثلاً پتھروں سے نہروں کا جاری کرنا من وسلوی اتارنا، فرعونیوں سے آزاد کرانا، ان ہی میں انبیاء کرام اور رسولوں کو مبعوث کرنا اور انکو سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا"([3])

ان انعامات میں سے چند ایک کا ذکر اسی فصل میں گزر چکا ہے جیسا کہ مسلسل انبیاء کو مبعوث کرنا، کتاب کا ملنا، اقوام عالم پر انکو فضیلت بخشا اور فتوحات وغیرہ۔ لیکن اس کے علاوہ بھی یہود پر رب تعالی نے بہت ساری انعامات کی ہیں

([1]) سورۃ الکھف۔۱۸: ۸۴

([2]) سورۃ البقرہ، ۲: ۴۰

([3]) تفسیر طبری، ۱: ۳۲

جن کا ذکر مندرجہ بالا سطور میں مذکور ہے۔

فرعون سے نجات:

فرعون سے نجات یہود پر کیئے جانے والے انعامات میں سے ایک بہت بڑا انعام تھا۔ فرعون جس نے بنی اسرائیل سے جینے کا حق تک چھین لیا تھا اور غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿ وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴾([1])

ترجمہ: اور جب ہم نے تمہیں اہل فرعون سے نجات دی جو تمہیں بدترین عذاب دیتے تھے۔ اور تمہاری لڑکیوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی بہت بڑی آزمائش تھی۔

فرعون نے ایک خواب دیکھا تھا؛ بیت المقدس کی طرف ایک آگ بھڑکی ہے جو مصر کے ہر قبطی کے گھر گھس گئی اور بنی اسرائیل کے مکانات میں نہیں گئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص ایسا پیدا ہو گا جس کے ہاتھوں فرعون کا غرور ٹوٹے گا۔ اس لیے اس ملعون کے چاروں طرف احکام جاری کر دیئے کہ بنی اسرائیل میں جو بچہ پیدا ہو سرکاری طور پر اس بات کا خیال رکھا جائے ،اگر لڑکا ہو تو فوراً مار دیا جائے اور اگر لڑکی ہو تو اسے چھوڑ دیا جائے نیز بنی اسرائیل سے مشقت والے کام لیے جائیں۔([2])

فرعون نے بنی اسرائیل کو قتل کے علاوہ بھی بہت سے عذاب دیئے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر وھبہ الزحیلی رقم طراز ہیں:

"واما انواع العذاب غير القتل فقال ابن اسحاق كان فرعون يعذب بنى اسرائيل فيجعلهم خدما وخولا يكن منهم فى صنعته من عمله فعليه الجزية فساهم العذاب "([3])

ترجمہ: اور جہاں تک قتل کے علاوہ عذاب کا تعلق ہے تو اس میں ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیلیوں کو مختلف قسم کے عذاب دیتا تھا؛ بعض کو خادم بناتا اور بعض کو حفاظتی ذمہ داریوں پر مامور کیا، بعض سے کھیتی باڑی اور دیگر کام لیتا اور جو کام نہ کرتا اس سے جزیہ لیتا تھا۔

فرعون کی غلامی سے نجات ایک نعمت کبری تھی جس کی احسان مندی اور شکر گزاری میں بنی اسرائیل روزہ رکھا کرتے تھے جس کا تذکرہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہودی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں، پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: اس لیے کہ اس مبارک دن میں بنی

([1]) سورۃ البقرۃ:۲:۴۹

([2]) تفسیر ابن کثیر،:۱/۳۹۶

([3]) تفسیر المنیر، امام الدکتور وھبہ الزحیلی، دار الفکر دمشق، 2003ء ۱/۱۷۵

اسرائیل فرعون کے ہاتھ سے آزاد ہوئے۔اور ان کا دشمن غرق ہوا، جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کا حقدار میں ہوں۔نبی کریم ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔([1])

بار بار بخشش:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے کوہِ طور پر گئے تو بنی اسرائیل نے بچھڑے کی عبادت شروع کر دی۔اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے ان کے اتنے بڑے جرم پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ رب العالمین نے انہیں معاف فرما دیا۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ﴾([2])

ترجمہ:اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑا پوجنا شروع کر دیا اور ظالم بن گئے لیکن اس کے باوجود ہم نے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا۔

یہ گاؤسالہ پرستی کا واقعہ بنی اسرائیل کے فرعون سے نجات پانے کے بعد کا ہے۔اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات دینے کے لیے چالیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر بلایا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے سامری جادوگر کے پیچھے لگ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

چشموں کا جاری کرنا:

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات کئے ان میں سے ایک انعام کہ جب پیاس اور بھوک کے عالم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً ان کی دعا قبول کی اور بنی اسرائیل کو اپنی عظیم نعمت سے مستفید فرمایا۔جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرَبَهُمْ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾([3])

ترجمہ:اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پانی پر مارو، جس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔اور ہر گروہ

([1]) صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب صوم عاشورہ، ح ۲۰۰۴، ص ۳۲۱

([2]) سورۃ البقرۃ:۲/۵۱-۵۲

([3]) سورۃ البقرۃ:۲/۶۰

نے اپنا چشمہ پہچان لیا اور ہم نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔

یہ واقعہ بعض کے نزدیک وادی تیہ کا اور بعض کے نزدیک صحرائے سینا کا ہے۔ وہاں پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی علیہ السلام سے فرمایا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ چنانچہ پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، قبیلے بھی بارہ تھے، ہر قبیلہ اپنے چشمے سے سیراب ہوتا۔

یہود پر بادلوں کا سایہ:

مصر اور شام کے درمیان میدان میں جب بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے عمالیقہ کی بستی میں داخل ہونے کا کہا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا، جس کی وجہ سے بنی اسرائیل چالیس سال تک میدان تیہ میں پڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پریشانی کے اس عالم میں ان پر یہ انعام کیا کہ ایک بادل کو لا کر سخت دھوپ میں گرمی سے بچنے کے لیے ان کے اوپر لا کھڑا کیا۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ ﴾ ([1])

ترجمہ: اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا۔

ڈاکٹر وھبہ الزحیلی رقمطراز ہیں:

"ثم ستر ناکم بالسحاب الابیض الرقیق من حر الشمس اثناء وجودکم فی وادی التیہ بین الشام و مصر مدۃاربعین سنۃ تأتیھن بعد ان خرج اباءکم من مصر وجاوزواالبحر"([2])

ترجمہ: اور پھر ہم نے تمہارے اوپر سفید باریک بادلوں کا سایہ کر کے گرمی سے بچایا۔ اس وقت کہ جب تم مصر اور شام کے درمیان وادئ تیہ میں چالیس سال سے تمہارے آباؤاجداد کے سمندر پار کرنے کے بعد حیران و پریشان پھر رہے تھے۔

بنی اسرائیل کو دھوپ سے بچانے کے لیے جو سائبان اللہ رب العالمین نے ان کے اوپر لا کھڑا کیا سفید رنگ کا تھا جو وادیٔتیہ میں ان کے سروں پر سایہ کئے رہتا تھا۔([3])

یہود پر نعمت خاص، من وسلویٰ:

جہاں پر وادئ تیہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بادلوں کے سایے سے انعام کیا تو وہاں پر بھوک اور پیاس کے عالم میں من و سلویٰ جیسی نعمتوں کے ساتھ ان کی خوراک کا بندوبست کیا اور یہ سب اس چٹیل میدان اور بے آب و گیاہ ریگستان میں فراہم کر دیا۔

([1]) ایضا:۲/۵۷

([2]) تفسیر المنیر:۱/۱۸۲

([3]) تفسیر ابن کثیر، ۱:۴۰۷

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ﴾ ([1])

ترجمہ: اور ہم نے تمہارے لیے من و سلویٰ کو نازل کیا کہ کھاؤ جو ہم نے تمہیں پاک رزق دیا۔

جو من و سلویٰ ان پر اترتا تھا وہ درختوں پر اترتا تھا؛ یہ صبح جاتے تھے اور اس کو جمع کر کے کھایا کرتے تھے۔ اور وہ گوند قسم کا تھا۔([2])

امام ابن کثیر ابن قتادہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کرتے ہیں کہ اُلو کی طرح من و سلویٰ ان کے گھروں میں اترتا تھا، جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ صبح صادق سے لے کر سورج نکلنے تک اترتا رہتا۔ ہر شخص اپنے گھر کے لیے اتنی مقدار میں لیتا جتنا اس دن کافی ہو جائے، اگر کوئی زیادہ لیتا تو خراب ہو جاتا۔([3])

اور جس طرح بنی اسرائیل کو کھانا بلا وقت پہنچ جاتا تھا، اسی طرح کھیتی بغیر کسی بونے کے پیدا ہو جاتی تھی۔([4])

غرض وہ ایسی چیز تھی جو انہیں بغیر کسی محنت و مشقت کے ملتی تھی اور اگر صرف کھایا جائے تو وہ صرف کھانے کی چیز تھی اور اگر پانی میں ملائی جائے تو پینے کی چیز تھی۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ کا مضمون اس کی تائید کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(الْكَمْأَةُ مِنْ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا شِفَاءٌ لِلْعَيْنِ)([5])

ترجمہ: کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔

سلویٰ:

سلویٰ ایک قسم کا پرندہ تھا۔ یہ چڑیا سے کچھ بڑا، سرخی مائل رنگ، جنوبی ہوائیں چلتیں تو وہ ان پرندوں کو وہاں لا کر جمع کر دیتیں، بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے ان کو کھایا کرتے تھے۔([6])

بٹیر یا چڑیا کی طرح ایک پرندہ تھا جسے ذبح کر کے کھا لیتے تھے۔([7])

الغرض اتنی بڑی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو عطا کیں، لیکن بنی اسرائیل ان کی قدر کرنے سے قاصر رہے۔

([1]) سورۃ البقرۃ:۲:۵۷

([2]) تفسیر ابن کثیر، ۱:۴۰۷

([3]) ایضاً ۱:۴۰۷

([4]) تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف، دار السلام، ص:۷۸

([5]) صحیح بخاری، کتاب التفسیر، ح ۴۴۷۸، ص ۷۶۱

([6]) تفسیر ابن کثیر: ۴۱۴

([7]) فتح القدیر، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، دار العلم الکتب، ۲۰۰۳ء: ۱:۸۷

بنی اسرائیل کو سرزمین فلسطین کا وارث بنایا:

بنی اسرائیل کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور ان پر ظلم کئے جارہا تھا اور وہ مصر میں کمزور سمجھے جاتے تھے، غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑا احسان فرمایا اور ان کو شام کا وارث بنادیا۔ اور اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ و نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُمْ مَا كَانُوا يَحْذَرُونَ﴾[1]

ترجمہ: ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں، ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث کریں اور ملک میں ان کو قوت و طاقت دیں۔ فرعون، ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھائیں جس سے وہ ڈرتے ہیں۔

اسی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴾[2]

ترجمہ: اور ہم نے ان لوگوں کو جو کہ بالکل ہی کمزور سمجھے جاتے تھے، اس سرزمین کے مشرق اور مغرب کا مالک بنادیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے پورا ہو گیا۔

شام کا علاقہ جو سرسبز وشاداب خوش منظر اور ذرخیز اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا مسکن اور مدفن ہے۔ دریائے قلزم کو پار کرنے کے بعد بنی اسرائیل چالیس برس تک سرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے اور پھر یوشع بن نون کے ساتھ عمالقہ سے جہاد کیا۔ اس میں ان کو فتح ہوئی اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور بنی اسرائیل اپنے آبائی وطن ملکِ شام کے وارث بن گئے۔[3]

سمندر کا (چیرنا) رستہ دینا:

ایسے عالم میں جب دشمن ان کا پیچھا کر رہا تھا اور وہ خود بھی معاشرے میں کمزور ترین لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے باوجود ان پر انعام کیا کہ سمندر سے گزر گئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَامُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ [4]

---

(1) سورۃ القصص:۲۸/۵-۶

(2) سورۃ الاعراف۷:۱۳۷

(3) تیسیر القرآن، مولانا عبد الرحمان کیلانی، مکتبہ دار السلام لاہور، ۱۴۳۲ھ:۲:۹۲

(4) سورۃ الاعراف:۷:۱۳۸

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کروایا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کے آگے آس پاس چکر کاٹ رہے تھے بولے اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنادے جیسا ان کے لئے اپنا خدا ہے کہا تم جاہل لوگ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے راستہ بنادیا اور فرعون کو ڈبو دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس سرزمین کو شرقاً غرباً بنی اسرائیل کے سپرد کر دیا، جو کہ نہایت کمزور سمجھے جاتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾ ([1])

ہم چاہتے ہیں ہم ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ملک کا وارث بنائیں۔

تابوت سکینہ کی واپسی:

تابوتِ سکینہ کا مطلب ہی یہی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص نصرت کا ایسا نزول جو وہ اپنے خاص بندوں پر نازل فرماتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے جنگ کے خون ریز محرکہ آرائیوں میں جہاں بڑے بڑے شیر دل بھی کانپ اٹھتے ہیں۔ تابوت یعنی صندوق جو "توب" سے ہے، جس کے معانی رجوع کرنے کے ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اس کی طرف رجوع کرتے تھے۔([2])

جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَى وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ([3])

ترجمہ: اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معجزات موسیٰ اور معجزات ہارون کا ترکہ اٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے بیشک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو۔

امام ابن کثیر حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فرشتے آسمان اور زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لار کھا، اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت، طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔"([4])

گناہوں کو معاف کرنے اور رزق حلال دینے کے لیے بستی میں داخل کرنا:

بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ تم اگر جھکتے ہوئے اور "حطۃ" (یعنی اے اللہ! ہماری خطاؤں کا

([1]) سورۃ القصص:۲۸:۵

([2]) تفسیر ابن کثیر: ۲:۴۲۲

([3]) سورۃ البقرۃ:۲:۲۴۸

([4]) تفسیر ابن کثیر:۱:۲۳

معاف فرما) کہتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو میں تمہارے گناہوں کو بخش دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ ساری چیزیں پسند تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ﴾([1])

ترجمہ: اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے کہ نیکی والوں کو اور زیادہ دیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر آ گئے اور انہیں ارض مقدس میں جانے کا حکم ہوا (جو زمین ان کی موروثی تھی) ان سے کہا گیا کہ یہاں جو عمالیق ہیں ان سے جہاد کرو تو ان لوگوں نے کمزوروی دکھائی، جس کی سزا میں انہیں میدانِ تیہ میں ڈال دیا گیا۔([2])

اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَاقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ ([3])

ترجمہ: اے میری قوم والو! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں پڑ جاؤ گے۔

غرض بنی اسرائیل بجائے اس کے کہ وہ اپنے گناہوں کی بخشش کرواتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ،بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ اور مذکورہ انعامات جن کا ذکر ہم نے کیا یہود کو ان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے ان میں شکر کے بجائے ناشکری کی راہ اختیار کی اور اللہ تعالی اپنی نعمت کی ناشکری کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

([1]) سورۃ البقرۃ:۲:۵۸

([2]) تفسیر ابن کثیر:۱:۴۱۷

([3]) سورۃ المائدۃ۷:۲۱

فصل دوم: امت مسلمہ کے عروج کے اسباب

امت مسلمہ وہ امت ہے جسے غلبے کے لیے برپا کیا گیا تھا، جس نے ایک طویل مدت تک اس دنیا پر حکمرانی کی تھی، جس کے وجود کا مقصد ہی یہی تھا کہ اس دنیا میں اللہ کے دین کو غالب کیا جائے، دنیا کا سارا نظام اسی کی ہدایت کے مطابق ہو، ایک ایسی امت جو اپنا ایک شاندار ماضی رکھتی ہے، اور جس کو اس عالم کے اکثر حصے پر غلبہ حاصل رہا ہے، اور جس کی فتوحات کا سلسلہ کبھی رکتا نہیں تھا جس کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا، جس نے ایسی ایسی عظیم شخصیات جنم دیں کہ جنہوں نے اپنے کارناموں سے اس دنیا کو ترقی کی نئی نئی شاہراہوں سے روشناس کرایا، اور جنہوں نے علم وفن کے ہر میدان میں بنیاد رکھنے کا کام کیا۔ یقیناً اسلامی تاریخ میں ایسے لوگ کثیر تعداد میں ملتے ہیں جنہوں نے مختلف علوم وفنون میں نہ صرف مہارت حاصل کی، بلکہ ایسے کارنامے انجام دیئے کہ اُن سے آج بھی ایک دنیا مستفید ہو رہی ہے ، الغرض امت مسلمہ کے اس بلند ترین مقام و مرتبہ کے کچھ اسباب تھے جنہیں ہم امت کے عروج کے اسباب سے موسوم کرتے ہیں۔

نظریہ حیات سے وابستگی:

عمومی طور پر امت مسلمہ جسکو امت محمدیہ کا نام بھی دیا گیا ہے کے اسباب عروج میں نظریہ حیات سے وابستگی کو امت کے عروج کا سب سے بڑا سبب قرار دینا بعید نہ ہوگا کیوں کے انفرادی طور پر جتنے بھی امت کے عروج کے اسباب ہیں وہ سب کے سب اسمیں داخل ہیں۔ کیوں کے کسی بھی قوم کی ترقی کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے کہ وہ کس نظریہ پر پختہ یقین اور اس سے مکمل وابستگی رکھتی ہے اور اسلامی اصطلاح میں زندگی گزارنے کے اصولوں یعنی نظریہ حیات کو عقیدہ کہتے ہیں اور ان اصولوں کو تسلیم کرنا ایمانیات سے تعبیر کیا جاتا ہے ان میں عقیدہ توحید، رسالت اور آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

عقیدہ توحید:

عقیدہ توحید کا مضبوط ہونا مسلمانوں کے غلبہ کی سب سے بڑی قوت ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴾ (1)

ترجمہ: تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گئے اگر تم ایمان دار ہو۔

نبی کائنات ﷺ نے جو عالمگیر انقلاب برپا کیا اس کے لیے سب سے پہلے مضبوط بنیادوں کی منصوبہ بندی کی، اور یہ بنیادیں اس قدر مضبوط اور مستحکم تھیں کہ ظلم وستم کے پہاڑ، مخالفت کے طوفان اور فتنوں کی آندھیاں

---

(1) سورۃ آل عمران: ۳: ۱۳۹

آئیں مگر یہ اپنی جگہ قائم رہیں، اور ان بنیادوں کو مضبوط کرنے کیلئے آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال لگائے۔ تیرہ سال تک مکہ میں توحید ورسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دیتے رہے اور اپنے اصحاب کے دلوں میں ان کا یقین بٹھاتے رہے، آپ ﷺ کے ساتھیوں کا ایمان اور یقین اتنا مضبوط ہو گیا کہ اس یقین کی راہ میں آنے والی تمام مشکلات اور رشتوں ناطوں کو چھوڑنا ان کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ اور اس مضبوط ایمان کو لے کر جب یہ نکلے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکی اور یہ دنیا پر غلبہ پاتے چلے گئے اور آخر کار تقریباً کچھ ہی سالوں میں نصف دنیا پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔

اور یہ عقیدہ ہی تھا جس کی دعوت آپ ﷺ دے رہے تھے تو لوگوں نے آپ ﷺ کے چچا کو اسکی دعوت سے روکنے کو کہا تھا تو اس وقت نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

"خدا کی قسم! وہ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند لا کر رکھ دیں اور یہ چاہیں کہ میں خدا کا حکم اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، میں ہرگز اس کے لئے آمادہ نہیں ہوں۔ یہاں تک کہ خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیل جائے یا کم از کم میں اس جدوجہد میں اپنی جان دے دوں "([1])

آپ علیہ السلام نے مکہ کی زندگی میں 13 سال مسلسل اس عقیدہ کی پختگی اور راستگی میں گزارے اور اپنے ساتھیوں کی اس کے مطابق تربیت کی۔

اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس عقیدہ توحید کے علم کو مضبوطی سے تھاما اور اس کی دعوت کو پھیلایا۔ عقیدہ توحید نبوت کے بنیادی مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالی:

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾([2])

ترجمہ: اور ہم نے ہر قوم کی طرف رسول بھیجا، یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے بچو۔

اور اسی طرح قرآن مجید میں جو دوسرے مقامات پر اس بات کا ذکر بتفصیل موجود ہے جبکہ ہم نے یہود کے اسباب عروج میں اسکا ذکر کیا ہے۔ اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب تک عقیدہ توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا تو دنیا پر غالب رہے۔

ڈاکٹر محمد امین نے بھی مسلمانوں کے عروج میں سب سے اہم جو وجہ بیان کی ہے وہ نظریہ حیات ہے اور اسلامی اصطلاح میں زندگی گزارنے کے اصولوں (نظریہ حیات یا اصول حیات) کو عقیدہ کہتے ہیں۔ اور ایمان ہی وہ نور ہے

([1]) الروض الانف، فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، امام ابو قاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ احمد ابو الحسن، دار العلمیۃ بیروت، بدون سنہ، ۳:۴۵

([2]) سورۃ النحل ۱۶: ۳۶

جسکی روشنی میں آدمی راہ راست پر چل سکتا ہے۔([1])

نبوت:

یہ بات عیاں ہے کہ نبوت اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں سے سب سے بڑا احسان ہے اپنے بندوں پر جیسکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾([2])

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان میں ہی سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اور نبی مکرم ﷺ کا فرمان بھی اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ جیسکہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

"إنما مثلي ومثل الناس كمثل رجل استوقد ناراً، فلما أضاءت ما حوله جعل الفراش وهذه الدواب التي تقع في النار يقعن فيها، فجعل الرجل ينزعهن ويغلبنه يقتحمن فيها، وأنا آخذ بحجزكم عن النار وهم يقتحمون فيها"([3])

"میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب اس کے گرد روشنی ہو گئی تو پتنگے اور کیڑے جو آگ پر (مرے پڑتے ہیں) آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو روکنے لگا لیکن پتنگے اس پر غالب آگئے اور آگ میں گرتے چلے گئے یہی میری اور تمہاری مثال ہے، میں کمر سے پکڑ پکڑ کر تمھیں جہنم سے بچا رہا ہوں اور آواز دے رہا ہوں: لوگو! آگ سے دور رہو لیکن تم مجھ پر غالب ہونے کی کوشش کر رہے ہو، آگ میں جانا چاہتے ہو۔"

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی اُمت کیلئے کوششوں سے عروج کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے اور آپکی قیادت میں جو جماعت تیار ہوتی ہے وہ ایک دن دنیا پر غالب ہو جاتی ہے۔

اور پھر نبی اکرم ﷺ کی زندگی اُمت کے پاس بہترین نمونہ ہے بلکہ یہ مضبوط طاقت ہے جس کو عملی جامہ پہنا کر اُمت عروج کی منزلیں استوار کر سکتی ہے۔

آپ ﷺ کو پوری انسانیت کیلئے نبی بنا کر بھیجا گیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

﴿قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّى رَسُولُ اللهِ اِلَيكُمْ جَمِيعًا﴾ ([4])

([1]) مغرب کا زوال اور مسلم نشاۃ ثانیۃ کے روشن امکانات، ڈاکٹر محمد امین، متحدہ ملی محاذ، بٹلہ ہاوس جامعہ نگر نئی دہلی، بدون ص ۴۶

([2]) سورۃ آل عمران: ۳: ۱۶۴

([3]) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب شفقتہ ﷺ علی امتہ، ح ۵۹۵۵، ص ۱۰۱۲

([4]) سورۃ الاعراف ۸: ۱۵۸

ترجمہ: کہہ دیجیے: اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔
اور اس فرمان باری تعالی کے تحت اس اُمت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان تمام انسانوں تک نہ صرف یہ پیغام توحید ورسالت پہنچائے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اُمت اس قدر صاحب مرتبہ واقتدار ہو کہ تمام انسانیت کے دکھوں کا مداوا کر سکے اور ان پر ہونے والے مظالم سے انکو نجات بھی دلا سکے۔

دائمی غلبہ دین:

نبی مکرم حضرت محمد ﷺ تمام انبیاء کے خاتم اور آپ کی امت تمام امتوں کی خاتم اور آخری امت جسکی ذمہ داری خلافت علی منہج النبوۃ کا قیام اور شہادت علی الناس ہے لہذا غلبہ دین اور دعوت حق کو پہچانااس پر تمام انسانوں کا حق ہے اس دعوت سے وابستہ رہنا اوراس کے غلبہ کے لیے تمام تر توانایاں صرف کرنا اس کے عروج کے لیے ضروری ہے۔

اللہ تعالی نے حضور نبی اکرم ﷺ کو رحمۃ اللعالمین کے تاج اور ختم نبوت کے تخت سے نوازا۔ لہذا آپ ﷺ نے ہر دور کے انسان کی رہنمائی فرمادی لہذا ہر دور کے انسان کے لئے راہ حق وصداقت کا تعین کرنا اس اُمت کی ذمہ داری ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد ہی اس دین کو باقی تمام ادیان پر غالب کر کے دکھانا ہے۔
جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:
﴿هُوَ الَّذِی اَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰی وَ دِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّینِ كُلِّه وَ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیدًا﴾[1]
ترجمہ: وہی اللہ تعالی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ﷺ کو دین حق دے کر کہ اسے باقی ادیان پر غالب کر دے اور رسول اکرم ﷺ کی صداقت پر اللہ تعالی کی گواہی کافی ہے۔
غلبہ دین حق کے لیے اللہ تعالی نے خود کو گواہ بنالیا ہے۔ یہ شہادت الٰہی اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ یہ دین غالب رہنے کیلئے آیا ہے، اب اس غلبہ کیلئے اُمت کی ضرورت ہے جو آپ ﷺ کی اتباع کی روشنی میں اس کام کو سرانجام دے۔

قرآن کریم سے مضبوط تعلق:

قرآن کریم اُمت مسلمہ کے لیے دنیاوآخرت کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہے جسکی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالی نے لیا ہے فرمایا: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [2]
ترجمہ: بے شک ہم نے قرآن کریم کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے۔

---

(1) سورۃ الفتح ۴۸: ۲۸

(2) سورۃ الحجر: ۱۵: ۹

قرآن کریم میں اقوام کے عروج وزوال کا تذکرہ محض اس لیے ہے کہ اس اُمت کو بتا دیا جائے کہ اسکی حیات دنیوی میں جہاں اخروی فلاح کی کھیتی ہے وہاں اس کی ظاہری زندگی میں بھی عروج وترقی کیلئے کچھ ضابطے اور قوانین ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے گا تو عروج کی نعمت نصیب ہو گی اور یہ اُمت خیر اُمت کے لقب کی حق دار ٹھہرے گی اور خلافت ارضی کا تاج اسکے سر پر رہے گا۔

مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعلق قرآن مجید کے ساتھ انتہائی مضبوط تھا۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیت کو سیکھنے کیلئے جو دشواریاں اُٹھائی ہیں، انکا علم ہم کو نہیں۔ انہوں نے کفار کے ظلم وستم برداشت کیے اور اس قرآن مجید کے علم کو حاصل کیا" ([1])

اور صحابہ کرام کی ترقی اور اس کے بعد عام مسلمانوں کی ترقی کا راز قرآن کریم سے مضبوط تعلق میں مضمر تھا اور انہوں نے نبی ﷺ کے فرمان کو اپنی زندگی میں اعلی مقام دیا اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھی اس ضمن میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(فإن هذا القرآن سبب طرفه بيد الله و طرفه بأيديكم ، فتمسكتم لن تهلكوا بعده أبدا) ([2])

ترجمہ: یہ قرآن مجید ایک مضبوط رسی ہے جس کا ایک سر اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسر تمہارے ہاتھوں میں، پس تم اسے مضبوطی سے پکڑلو، نہ کبھی اس کے بعد ہلاک ہوگے، نہ گمراہ ہوگے۔

اُمت مسلمہ کی چودہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی اس نے قرآن کریم کو اپنا ہادی ورہنما بنایا، اسے سینے سے لگائے رکھا، اس سے روشنی حاصل کرتی رہی، اس کے احکام وفرامین کو اپنی زندگی میں نافذ کیا اور ان پر عمل پیرا رہی اس وقت تک اقوام عالم کی امامت وقیادت کی زمام اس کے ہاتھ میں رہی، کامیابی وکامرانی نے اس کے قدم چومے اور اسکی عظمت ورفعت قائم ودائم رہی۔

جیسا کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(اِنَّ اللہَ یَرفَعُ بِھٰذَا الکِتَابِ اَقوَاماً وَّیَضَعُ بِہٖ آخِرِینَ)([3])

ترجمہ: اللہ تعالی اس کتاب کی وجہ سے کچھ قوموں کو بلندی عطا کرتا ہے اور کچھ قوموں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔

اس حدیث کے پہلے حصہ کی مصداق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت تھی اور پھر تاریخ میں جب تک مسلمانوں نے قرآن کو اپنا منشور بنائے رکھا تو وہ دنیا پر غالب رہے۔

([1]) دولت قرآن کی قدر وعظمت، مولانا تقی عثمانی، یمن اسلامک پبلشرز، 1988ء: ص۸

([2]) السلسۃ الصحیحۃ ۳۳۸:۲، ح۷۱۳

([3]) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ، ح:۱۸۹۷، ص۳۲۸۔

اطاعت رسول اکرم ﷺ:

مسلمانوں کے عروج کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ حد درجہ پیغمبر کے تابع دار تھے وہی جو معاشرہ میں سرکشی میں اپنی مثال آپ تھے،،وہی جب اسلام کی آغوش میں آئے تو ایسی منضبط زندگی گزارنی شروع کی کہ چشم فلک نے اطاعت شعاری کی ایسی نظیر نہیں دیکھی اپنے آپ کو جب رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا تو پھر سارے پسند اور ناپسند کے دھارے تبدیل ہوگئے اب اپنا کچھ نہ رہا جو کچھ تھا وہ اللہ اور اسکے رسول کا تھا۔اور وہ رسول کے نام پر باہم ایسے شیر وشکر ہوئے کہ حقیقی بھائی بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر تھے۔ایسا انسانی معاشرہ وجود میں آیا کہ جس میں ہر شخص دوسرے کا خیر خواہ تھا یہاں تک کہ صاحب کتاب نے اسکی تصدیق کی﴿ویؤثرون علی انفسھم ولوکان بھم خصاصة﴾[1]

ترجمہ:وہ اپنے اُوپر دوسروں کو ترجیح دیتے اگرچہ وہ خود کتنی سخت حاجت میں ہوں۔

قرآن وحدیث میں اطاعت رسول پر مسلمانوں سے دنیاوآخرت کی ترقی کا وعدہ کیا گیاہے اور مخالفت پر دنیا وآخرت کی ذلت سے ڈرایا گیاہے اور جب تک مسلمان اطاعتِ رسول ﷺ کے رنگ میں رنگے رہے تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کا مقابلہ نہ کرسکی۔

قرآن میں اطاعت رسول ﷺ سے متعلق بہت زیادہ فرامین موجود ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَاَطِیعُوا اللہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَاِن تَوَلَّیتُم فَاعْلَمُوا اَنَّمَا عَلٰی رَسُولِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِینُ﴾[2]

ترجمہ:اور تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور نافرمانی سے ڈرتے رہو اور اگر تم نے اعراض کیا تو جان لو کہ رسول کے ذمہ صاف صاف پہنچادیناہے"

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَمَن یُّطِعِ اللہَ وَ رَسُولَہٗ وَ یَخْشَ اللہَ وَ یَتَّقْہِ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفَائِزُونَ ﴾[3]

"اور جو اللہ کی اطاعت کرے اور رسول ﷺ کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس کا تقوی اختیار کرتا ہے پس ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور یہ آیت یہ بتاتی ہے کہ کامیابی اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ﷺ میں ہے۔

اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

---

(1) سورۃ الحشر:۵۹:۹

(2) سورۃ المائدۃ:۵:۹۲

(3) سورۃ النور ۲۴:۵۲

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُم مَّا حُمِّلْتُمْ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾([1])

پھر اگر تم نے اطاعت سے روح گردانی کی تو جان لو رسول ﷺ کے ذمہ وہی کچھ جو اُن پر لازم کیا گیا اور تمہارے ذمہ وہ ہے جو تم پر لازم کیا گیا ہے، اور اگر تم انکی اطاعت کروگئے تو ہدایت پا جاوگے اور رسول اکرم ﷺ پر صرف صریحاً پہنچانا ہے۔

جب تک مسلمانوں نے اطاعت رسول ﷺ کو یقینی بنایا تو وہ عزت ووقار کے ساتھ اس جہاں میں عروج کی بلندیوں پر فائز رہے بصورت دیگر انحطاط اور زوال مقدر رہے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ:

دنیا سے ظلم وستم ختم کرنے اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لیے جہاد فی سبیل اللہ اسلام کا ایک عظیم حکم ہے۔ دین اسلام نام ہے نظام عدل کا، جس کا حق جدوجہد کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَ جٰهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ ([2]) ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے جہاد کرنے کا۔

جہاد کے لغوی معانی:

جہاد کے لغوی معنی کوشش کرنے کے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

هو: بذل الجهد من المسلمين في قتال الكفار المعاندين المحاربين، والمرتدين، والبغاة ونحوهم؛ لإعلاء كلمة الله تعالى ([3])

ترجمہ: مسلمانوں کا اپنی قوت صرف کرنا کفار، معاندین، محاربین، مرتدین، اور باغیوں سے قتال میں اللہ تعالی کے کلمہ کی بلندی کے لیے۔

جب ہم دیکھتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں تو وہ جہاد کی اس تعریف کے مکمل مصداق ٹھرتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی شاید ہے کہ مسلمانوں میں جب بھی جہاد کا جذبہ پیدا ہوا تو وہ دنیا پر غالب ہوئے۔ جب اُموی دور میں مسلمان بڑی تیزی سے انحطاط کی طرف جارہے ہیں تھے تو زنگی خاندان کے مرد مجاہد، عماد الدین زنگی اور انکے فرزند نور الدین زنگی نے صلیبیوں کو مسلسل شکست دی اور بیت المقدس کے علاوہ تقریباً فلسطین کے

([1]) سورۃ النور ۲۴:۵۴

([2]) سورۃ الحج ۲۲/ ۷۸

([3]) فتح الباري،،٦:٢

پورے علاقے کو صلیبیوں سے صاف کر دیا۔([1])

اور پھر تاریخ میں دوبارہ مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا وہ صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں جہاد کی بدولت حاصل ہوا اور صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا۔

ان کے اس واقع کے متعلق لین پول لکھتا ہے:

" اگر صلاح الدین کے کارناموں میں صرف یہی کام دنیا کو معلوم ہو تا کہ اس نے کس طرح یروشلم کو بازیاب کیا تو صرف یہی کارنامہ اس کے ثابت کرنے کیلئے کافی تھا کہ وہ نہ صرف اپنے زمانہ کا بلکہ تمام زمانوں کا سب سے بڑا عالی حوصلہ انسان اور جلالت وشجاعت میں یکتا اور بے مثل شخص تھا"۔([2])

صلاح الدین ایوبی جہادی تحریک کے بعد کافی عرصہ تک امن وامان کی کیفیت رہی لیکن اسکے بعد ساتویں صدی کے وسط میں مسلمانوں کا سیاسی انتشار اور اخلاقی کمزوری پورے طور پر نمایاں ہو گیا اور تاتاریوں نے مسلمانوں پر سخت حملے کیے اور انہوں نے بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی لیکن جہاد کی برکت سے سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطر نے تار تاریوں پر حملہ کیا اور اُن کو سارے ملک شام سے بے دخل کیا۔ اور ان کے بعد سلطان محمد فاتح نے ۸۵۳ھ مطابق ۱۴۵۳م نے چوبیس سال کی عمر میں بازنیطی سلطنت کو ناقبل تسخیر شکست دی۔([3])

غرض امت مسلمہ کی تاریخ میں اور خصوصا ان کے غلبہ کے ادوار میں جہاد بڑا اہم عمل رہا ہے اور جہاد کی بدولت مسلمانوں کو اللہ تعالی نے تاریخ میں بڑی کامیابیوں سے نوازا ہے۔

عدل وانصاف

تاریخ مسلمانوں کے عدل وانصاف کی مثال کی پیش نہیں کر سکتی۔ اسلام میں سب سے پہلے قاضی خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ جنہوں نے عدل کا بول بالا کیا۔ نبی علیہ السلام کے عدالتی طریق کار کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عہد قضاء آتا ہے اور ان کا معمول یہ تھا کہ اگر کتاب وسنت سے کوئی نظیر نہیں ملتی تھی تو وہ باہر تشریف لے جاتے اور مسلمانوں سے کہتے میرے سامنے یہ مسئلہ در پیش ہے، کیا تم جانتے ہو؟ وہ اس کے بارے میں جو بات کہتے ان سے بیان کر کے قرآن وسنت سے فیصلہ کرتے۔([4])

([1]) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات، مولانا سید ابو الحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، بدون سنہ ص:۱۷

([2]) سلطان صلاح الدین، اسلم راہی ایم اے، عمار پبلی کیشنز، بدون سنہ ص:۲۰۵

([3]) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات:ص:۷۲ تا ۸۱

([4]) اسلامی نظام حکومت، راشدہ شعیب، بک پروموئز، اسلام آباد، مطبع ۱۹۹۵، ص:۱۸۳

پھر اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اس دور میں ایک عمارت "دار القضاء" کے نام سے بنائی گئی۔([1])
اور ایسا عدل کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاضی شریح کی عدالت میں ایک یہودی کے خلاف انصاف چاہنا اور قاضی شریح کا امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک یہودی کے حق میں فیصلہ دینا تاریخ کا معروف واقعہ ہے([2])

امام کائنات ﷺ نے دنیا میں کے سامنے عدل وانصاف کی وہ روشن مثال قائم فرمائی جو رہتی دنیا تک کے لئے مشعل راہ ہے۔ یقیناً عدل وانصاف کا تقاضہ ہے کہ حق دار کو پورا حق دیا جائے اور ظالم کو اس جرم کی صحیح اور مکمل سزا ملے تاکہ مظلوم کے جذبہ انتقام کو تسلی اور تشفی ہو۔ اور جرم کوئی بھی کرے اس کو سزا مل کر ہی رہنی چاہیے۔

اور ایسا عدل وانصاف کہ حدیث شریف میں ہے:

"قریش کی ایک شاخ بنو مخزوم کی عورت فاطمہ بنت اسد نے چوری کی لوگوں نے کہا کہ یہ عورت معزز خاندان کی ہے اس لیے اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے تو انہوں نے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سفارشی بنایا چونکہ وہ آپ علیہ السلام کے متبنی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے جن کو آپ بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ قریش کے اصرار پر جب اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قریش کا مدعا بیان کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: (اتشفع حدا من حدود الله) کیا تو اللہ کی حدود میں کسی حد کی سفارش کرتا ہے، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگوں! (انماکان الهکوا من قبلکم اذ سرق فیهم الشریف ترکوه۔۔۔۔)

ترجمہ: تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ ان میں سے جب کوئی عزت والی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: (لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها)۔([3])

اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

اور یہی عدل وانصاف تھا کہ مسلمان اتنی جلدی دنیا پر غالب ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اسی نقطہ کو خوب سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کے پاس بھیجا کہ وہاں کے پھلوں اور فصلوں کا اندازا لگا کر آئیں۔ یہودیوں نے اُن کو رشوت کی پیش کش کی تاکہ وہ کچھ نرمی سے کام لیں۔ تو حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس کی طرف سے نمائندہ بن کر آیا ہوں جو دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے اور تم میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہو لیکن اپنے محبوب ﷺ کی

([1]) عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، مکتبہ ابراہیمیہ، دکن، طبع دوم، ۱۹۴۹، ص:۳۵

([2]) عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، ص:۳۵

([3]) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، ح ۴۴۱۰، ص ۷۴۸

محبت اور تمہاری دشمنی مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کر سکتی کہ میں تمہارے معاملے میں انصاف نہ کروں، یہ سُن کر یہودیوں نے کہا"اسی عدل کی وجہ سے آسمان وزمین کا نظام قائم ہے۔([1])

ہمارے اسلاف کی تاریخ عدل و انصاف سے بری ہوئی ہے جسکی مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی اور ان کی دنیا کی فلاح وکامیابی کی بنیادی وجوہات میں ایک بڑی وجہ تھی۔

اعلی اخلاق:

اخلاق عالیہ کسی بھی قوم کی ترقی کا معیار ہوتے ہیں۔ امت عروج پہ پہنچی تھی اسی اعلیٰ اخلاق کی بنیاد پر جسے صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ سے سیکھا اور اپنایا تھا' جسے سلف صالحین اور امت کے اچھے لوگوں نے اپنایا اور پورے دنیا میں اسلام کا بول بالا کیا 'اسی اعلیٰ اخلاق کی بنیاد پر کتنے ملک بغیر لڑے فتح کئے گئے جو کہ تاریخ میں امتِ مسلمہ کی اخلاقی فتح کی بڑی دلیل ہے۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں: (إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلاقِ)([2])

ترجمہ:مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا۔

اور آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾([3])

ترجمہ:بے شک آپ ﷺ اخلاق کے اعلی مقام پر فائز ہیں۔

اور آج کے مسلمانوں کی اخلاقی پستی کو بیان کرنا مشکل ہے۔توحید کی علم بردار قوم شرک وبدعت میں پڑتی ہے توسب سے پہلے اخلاقی انحطاط کا شکار ہوتی ہے۔ آج امت میں بھی شرک موجود ہے اور اکثریت اس کو ماننے کے لیے بھی تیار نہیں، پھر شرک وبدعات میں رہ کر مذید ذلت ومسکنت میں گرتے جارہے ہیں۔

حسن اخلاق جو ہمارا اثاثہ تھاجو آج مسلمانوں کی اکثریت کے پاس نہیں رہا۔ آج جب کوئی یورپ سے ہو کر آتاہے تو وہ وہاں کے لوگوں کے اخلاق کے گن گاتاہے۔جبکہ ہم اپنا اخلاق قرآن و سنت کے مطابق نہیں بناتے مگر دوسروں کی اخلاقیات کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں' اگرچہ ان میں کچھ اچھائی ہے لیکن ان کے دل و نظر ناپاک ہیں۔

([1]) سنن ابی داود، امام ابی داود مکتبہ المعارف للنشر التوزیع الریاض، طبع ثانیہ، ۲۰۰۷م، کتاب البیوع، باب فی الساقاۃ، ح ۳۴۱۰ ص ۶۱۴

([2]) مسند احمد ۲:۳۸۱،السلسلہ الصحیحہ ۱:۷۵

([3]) سورۃ القلم:۶۸:۴

مغربی لوگوں کی اخلاقی ناپاکی ان کے معاملات میں جھلکتی ہے'ان میں وفاداری نام کی کوئی چیز ہی نہیں'خیانت اور جھوٹ پر عامل ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کا مطالعہ کیا جائے' صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کی اعلی سیرت و کردار کا مطالعہ کیا جائے اور اس کو اپنانے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر:

سب سے پہلے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نبی ﷺ نے انجام دیا اور اس فریضہ کی ادئیگی میں آپ ﷺ کو انتہائی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ نے اس فریضہ کو اپنا ہتھیار بنایا اور بہت کم وقت میں آپ کی دعوت پورے عرب میں پہنچ گئی اور بڑی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ آپ ﷺ سے قبل تمام انبیاے کرام نے ادا کیا۔اور اللہ تعالی نے اس فریضہ کی ادائیگی پر اس امت کو دنیا کی امامت کی خوشخبری بھی دی ہے،اور خیر امت کا لقب بھی اسی سے وابستہ ہے۔اور نبی ﷺ کے بعد اس فریضہ کی ادئیگی اس امت پر فرض ہے،اور اس فریضہ کی ادائیگی سے ان کا عروج وابستہ ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ--﴾[1]

ترجمہ:تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو،تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو،اور برائی سے روکتے ہو۔

تم بہترین امت ہو اور قیامت تک کے لیے بہترین،اور اس امت کی بہتری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی سے مشروط ہے۔

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[2]

ترجمہ:تم میں سے ایک جماعت ایسی جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے،اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اگر آج بھی امت بہترین امت بنناچاہتی ہے،اور عروج حاصل کرنا چاہتی ہے،تو ضروی ہے کہ عروج پانے والوں کے اوصاف کو اپنائے۔اللہ تعالی نے عروج پانے والوں کے اوصاف میں ایک اہم صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بتائی ہے۔

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ

([1]) سورۃ آل عمران ۳:۱۱۰

([2]) سورۃ آل عمران ۳: ۱۰۴

الْأُمُور ﴾[1]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار دے دیں، تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ ادا کریں گے اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں گے، سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

دنیا کی زندگی کے بارے میں صحیح طرز عمل:

نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کر جو منہج دیا تھا اسمیں افراط و تفریط نہ تھی اور نہ وہ بعض اہل مذہب کی طرح دنیا کی زندگی کو لعنت سمجھتے تھے اور نہ وہ اس کو عیش و عشرت کا آخری گھر سمجھتے تھے بلکہ وہ اس کے ایک ایک منٹ کو قیمتی سمجھتے تھے انکا کا عقیدہ تھا کہ یہ زندگی اللہ تعالی کی نعمت ہے جس میں اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے اور یہ زندگی عمل اور جدوجہد کی آخری مہلت ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالی:

﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُور﴾ [2]

ترجمہ: وہ زات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ آزمائے کون اچھے عمل کرتا ہے، اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔

اور صحابہ کرام دنیا میں اپنی زندگی کا مقصد اللہ تعالی کی عبادت کرنا نبی ﷺ کی اطاعت کرنا اور عمل بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرنا، کو اپنی زمہ داری سمجھتے تھے ان کے اقوال ان کی گفتار سے یہ بات عیاں ہوتی ہے یہی ان کا مقصد حیات تھا جسکی وجہ سے اللہ تعالی نے تاریخ میں جو عروج ان کو بخشا وہ کسی کو نہ مل سکا۔ اور آج امت موجودہ انحطاط کو عروج میں بدلنا چاہتی ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اسباب کو سمجھے اور ان کو اپنائے جو امت مسلمہ کے شاندار ماضی اور عروج کے اسباب میں ذکر کیے گے ہیں۔

([1]) سورۃ الحج: ۲۲: ۴۱

([2]) سورۃ الملک: ۶۷: ۲

فصل سوم: دونوں کے اسباب عروج میں مماثلت

اس سے قبل کے میں اسباب عروج میں مماثلت کا ذکر کروں ایک نظر تاریخی اعتبار سے دونوں کے عروج میں مماثلت پر ڈالتے ہیں، جب موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کو فلسطین میں داخل کرنے کے لیے لائے اور بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا جس کیوجہ سے صحراء سینا میں بطور سزا ان کو پھینک دیا گیا تو اسی دوران موسی علیہ السلام بھی انتقال کر گئے لیکن بعد میں حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں انہوں نے جہاد کیا اور فلسطین پر قابض ہو گئے اور اسی طرح حضرت طالوت کا جالوت کو قتل کرنا اور طالوت کے بعد داود علیہ السلام کا ان کا جانشین بننا۔

اب یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے فتح ہونے سے لے کر طالوت اور جالوت کی جنگ تک ایک طویل وقفہ ہے ، اس دورانیہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا دور نقطہ عروج تھا۔ حضرت طالوت ، حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہم السلام کا دور اقتدار تقریبا ایک سو سال کے عرصے پر محیط تھا۔ اور یہ دور بنی اسرائیل کے لیے ایسے جیسے امت مسلمہ کے لیے خلافت راشدہ کا دور تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی پہلی تین خلافتیں سو سال کے عرصے پر محیط تھیں جبکہ امت مسلمہ کی چوبیس سال پر محیط تھیں۔ اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں شام اور مصر کے علاقے الگ ہو گئے تو وہاں پر بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد مملکت آپ کے دو بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی، شمالی مملکت کا نام اسرائیل تھا جس کا دارالخلافہ سامریہ تھا، اور جنوبی مملکت کا نام یہودیہ تھا جس کا دارالخلافہ یروشلم تھا۔ لیکن اب ایک عرصہ تک تو بنی اسرائیل کا عروج بر قرار رہا لیکن رفتہ رفتہ عوام میں مشرکانہ عقائد، اوہام پرستی اور دنیا کی حوس جیسی بیماریاں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے زوال ان کا مقدر ٹھرا اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے۔ تو بلکل اسی طرح امت مسلمہ کی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد ملوکیت کا خلافت کی جگہ لینا اور رفتہ رفتہ امت پر بھی صلیبی حملے ہوئے جن کی وجہ سے امت مسلمہ کا عروج بھی انحطاط کی طرف بڑھنے لگا۔

اور یہود کے دوسرے دور عروج کا آغاز حضرت عزیر علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں سے ہوا۔ ذولقرنین نے عراق (بابل) فتح کیا اور دوسرے سال بنی اسرئیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دبارہ آباد ہونے کی اجازت دے دی گئی۔ اور اسی دوران حضرت عزیر علیہ السلام بھی ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ یروشلم پہنچے اور اس شہر کو آباد کرنا شروع کیا ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کی اور تورات کو بھی مرتب کیا۔ لیکن پھر بنی اسرئیل کی وہی پرانی روش ،شرک وبدعت ان میں پیدا ہو گئی، اخلاقی برائیوں نے جنم لیا تو جس کی وجہ سے سب کچھ ان سے چھین لیا گیا۔

اور امت مسلمہ جن کو پہلا عروج عربوں کی قیادت میں ملا تھااور زوال صلیبیوں کی یلغار کی صورت میں آیا۔ لیکن ترکوں کی قیادت میں ایک بار پھر امت مسلمہ کو عروج نصیب ہوا۔ اور اس طرح عظیم الشان حکومتیں قائم ہوئیں اور پھر اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے یورپی اقوام کے تسلط کی صورت میں آیا آخر کا سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ یہ وہ مختصر سا تاریخی عروج تھا جسمیں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔

عقیدہ توحید میں مماثلت:

یہ بات حقیقت پر مبنی ہے یہود اور امت مسلمہ میں عروج کا جو بنیادی سبب ہے وہ نظریہ حیات ہے سے وابستگی یعنی عقیدہ کی پاسداری تھی۔ کیوں کے یہود اور امت مسلمہ دونوں الہامی مذاہب کے ماننے والے ہیں دونوں کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالی نے انبیاء ورسول مبعوث کیے اور رہنمائی کے لیے کتابیں بھی نازل فرمائیں۔ دونوں میں بنیادی چیز عقیدہ ہے اور عقیدہ قوم کا نظریہ حیات ہے اور جب نظریہ پختہ اور مضبوط ہو گا تو قوم بڑے سے بڑے مصائب اور مشکلات کا سامنا کر پائے گی۔ جب ہم تورات اور قرآن کی تعلیمات دیکھتے ہیں تو ان میں بھی دنیا اور آخرت کی ترقی کا زینہ عقیدہ توحید کے ساتھ منسلک ہے۔ اور اس کی عملی شکل ہمیں دونوں کے ادوار میں نظر آتی ہے، جب تک ان کا عقیدہ مضبوط رہا وہ دنیا میں مظبوط رہے اور جب عقیدہ میں خرابی پیدا ہو گئی تو ان کے نظام میں بھی خرابی پیدا ہو گئی تب عروج کی جگہ انحطاط ان کا مقدر بنا کیوں کہ عروج دینے والے کے بنائے ہوئے اصولوں سے انحراف کیا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ ([1])

ایمان کی بنیاد ہی عقیدہ توحید ہے تو جب بنیاد مظبوط تو عمارت آسانی سے گرائی نہیں جاسکتی۔

نبوت:

انبیاء و رسل کی بعثت انسانوں پر اللہ تعالی کا ایک بہت بڑا احسان ہے۔ اور یہود اور امت مسلمہ پر اللہ تعالی نے اپنا یہ احسان فرمایا اور جو ان کی فلاح اور کامیابی کا ذریعہ اور سبب تھا۔ اللہ تعالی نے اپنے اس احسان کا بطور خاص ذکر فرمایا جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾ ([2])

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا

([1]) سورۃ آل عمران:۳:۱۳۹

([2]) سورۃ آل عمران:۳:۱۶۴

ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اور نبی کی موجودگی عذاب سے حفاظت کا ذریعہ بھی ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ ﴾(1)

ترجمہ: جب تک آپ ان میں موجود ہیں اللہ ان عذاب نہیں دے گا۔

بنی اسرائیل بعثت موسی علیہ السلام سے قبل فرعون کے ہاتھوں مظلومیت کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن جب موسی علیہ السلام کی بعثت ہوئی تو موسی علیہ السلام نے ان کو اللہ کی مدد سے فرعون کی غلامی سے نکالا۔اور معاشرتی اور معاشی سطح پر ان کو مضبوط کیا۔اور موسی علیہ السلام کے بعد کے انبیاء کی موجودگی ان کی ترقی کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

امت مسلمہ بھی آپ ﷺ کی بعثت سے قبل ظلم و جبر اور فسق وفجور کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی لیکن آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ کی محنت اور کوشش سے ظلم و جبر کا خاتمہ ہوا، عدل وانصاف قائم ہوا اور آپ ﷺ کی سرپرستی میں ایک چھوٹی سی جماعت بڑھتے بڑھتے ایک بڑے لشکر کی شکل اختیار کر گئی جس نے بہت تھوڑے عرصہ میں پوری دنیا پر اسلام کا پیغام پہنچایا۔

کتاب:

اللہ تعالی کی طرف سے جو کتاب اپنے نبی پر نازل ہوتی ہے وہ رشد وہدایت کا منبہ ہوتی ہے۔ جس میں اس کے ماننے والوں کے لیے دنیا و آخرت کی فلاح کے ضابطے موجود ہوتے ہیں۔یہود اگرچہ انہوں نے اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ تورات کی اس طرح قدر نہ کی جس طرح ان کو اس کی قدر کرنی چاہیے تھی لیکن اس کے باوجود یہود کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی انہوں نے موسی علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی اپنا تعلق تورات سے جوڑا تو وہ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے لگے۔

اور اسی طرح امت مسلمہ کی رشد وہدایت کے لیے اللہ تعالی نے قرآن مجید نازل فرمایا جس میں وہ سب اصول موجود ہیں جن کو اپنا کر امت مسلمہ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کر سکتی ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کی تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مسلمانوں کا قرآن سے مضبوط تعلق ان کے لیے دنیا کی ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اور آج جو امت کی موجودہ حالت اس با کی واضح دلیل ہے کہ امت نے قرآن اعراض کیا ہوا ہے۔

اطاعت رسول میں مماثلت:

یہود جن کی طرف کئی انبیاے کرام کو مبعوث کیا گیا۔ عمومی طور پر ان کے ساتھ یہود کا رویہ انتہائی مایوس

---

(1) سورۃ الانفال ۸:۳۳

کن رہالیکن جب کبھی انہوں نے اطاعت و فرمانبر داری کے پہلو کو اپنایا تو وہ کامیاب ہی ہوئے۔اور یہ اللہ تعالی کا بنایا ہوا ضابطہ اور قانون ہے کہ﴿ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۔﴾([1]) اگر اطاعت کروگے تو ہدایت پاوگے۔

توجب تک انبیاء اور رسل کی اطاعت و فرمانبر داری پر امت قائم رہے گی تو فلاح و کامیابی اس کا مقدر بنے گی اور عروج کا زینہ اسے پہنایا جائے گا،امت مسلمہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہ صحابہ کرام جو نبی ﷺ کی معیت میں زندگی بسر کر رہے تھے ان کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن جہاں بھی جاتے کامیابی ان کا استقبال کرتی تھی اس لیے کہ وہ اپنے پیغمبر کے مطیع اور فرمانبر دار تھے۔

جہاد فی سبیل اللہ میں مماثلت:

جہاد دنیا سے ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام سب سے بڑا ذریعہ ہے۔یہود کی تاریخ میں اس کی سب سے بڑی مثال کہ جب سموئیل علیہ السلام کے دور میں مشرک اقوام نے یہود کو فلسطین سے بے دخل کیا تو اس وقت یہود نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کیا جائے تاکہ وہ مشرکوں کا مقابلہ کر سکیں۔تو اس وقت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا اور تمام تر کمزوریوں کے باوجود اللہ تعالی نے طالوت کے ذریعے مشرکوں کو شکست دی([2])

اور امت مسلمہ میں جہاد کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور جنگ بدر میں مسلمانوں کا جہاد فی سبیل اللہ میں جوش تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔امت مسلمہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی ایک نہیں کئی مثالیں ہیں جن سے یہ واضح ہے کہ امت مسلمہ کے عروج کے اسباب میں ایک بہت بڑا سبب جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

فضائل میں مماثلت:

اللہ تعالی نے جس طرح اپنے بندوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی اسی طرح بعض امتوں کو بعض پر فضیلت بخشی یہود جن کو اللہ تعالی نے اقوام عالم پر فضیلت بخشی جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے

﴿وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَلَمِينَ﴾ ([3])

ترجمہ:بیشک میں تمیں تمام عالمین پر فضیلت بخشی۔

اسی دیگر بہت سارے فضائل جو اللہ تعالی نے یہود کو بخشے ان کا عطا ہونا اللہ کا اس قوم پر بہت بڑا احسان تھا اور ان کو دنیا میں مقام و مرتبہ عطا کرنا تھا لیکن انہوں نے اس فضل پر اللہ تعالی کا شکر ادا نہ کیا بلکہ نافرمانی والا پہلو اپنایا

([1]) سورۃ النور ۲۴:۵۴

([2]) سورۃ البقرہ ۲:۲۵۵

([3]) سورۃ البقرہ ۲:۴۷

جس کی وجہ سے وہ تمام فضائل ان سے چھن گئے۔

امت مسلمہ کو بھی اللہ تعالی نے بہت فضائل سے نوزا جیسا کہ نبوت کا اختتام اس امت پر کیا امام الانبیاء کا امتی بنایا دنیا میں آخر میں آنے والے جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے غرض ایسی بہت ساری فضیلتیں ہیں جن سے اللہ تعالی نے اس امت کو نوازا ہے جس کا مقصد ہی خلافت ارضی کا ان کو مالک بنانا تھا۔

انعام الٰہی میں مماثلت:

تورات اور قرآن مجید میں یہود پر کی گئی بہت ساری نعمتوں کا ذکر ملتا ہے اور یہ نعمتیں ان کے زمانہ عروج کا پتہ دیتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالی نے ان نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يٰبَنِى اِسْرَاءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِىَ الَّتِى اَنْعَمْتُ عَلَيكُمْ﴾(1)

ترجمہ: اے یعقوب کی اولاد! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیے۔

ان نعمتوں میں پتھروں سے نہروں کا جاری کرنا من وسلوی اتارنا، فرعونیوں سے آزاد کرانا، ان ہی میں انبیاء کرام اور رسولوں کو مبعوث کرنا اور انکو سلطنت اور بادشاہی عطا فرمانا۔ غرض انکی معاشی اور معاشرتی ضرورتیں پوری کرنا بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔

اسی طرح امت مسلمہ پر بھی اللہ تعالی کے بہت انعام ہیں۔ اور ان انعامات میں سب سے بڑا انعام اس امت کی رشد وہدایت کے لیے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو ان کی طرف مبعوث کرنا۔ اللہ تعالی نے اپنی اس نعمت کا ذکر بطور خاص فرمایا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ اَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيهِمْ اٰيٰتِه وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَ اِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِى ضَلٰلٍ مُّبِينٍ﴾(2)

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالی کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

غرض اللہ تعالی نے یہود کی طرح امت مسلمہ کو بے شمار انعامات سے نوزا ہے۔ ان نعمتوں سے مستفید ہونے کے بعد جس طرح یہود نے ناشکری کا راستہ اپنایا اور وہ زوال کا شکار ہوئے تو آج امت مسلمہ بھی یہود کے قدموں کے نشانات کی پیروی کرتے ہوئے اسی جانب بڑھ رہی ہے۔

---

(1) سورۃ البقرۃ ۲:۴۰

(2) سورۃ آل عمران ۳:۱۶۴

باب سوم

یہود اور امت مسلمہ کے اسباب زوال میں مماثلت

فصل اول: یہود کے اسباب زوال۔

فصل دوم: امت مسلمہ کے اسباب زوال۔

فصل سوم: دونوں کے اسباب زوال میں مماثلت

فصل اول: یہود کے اسباب زوال

زوال کا مفہوم:

زوال کے لغوی معانی جاتا رہنا، اترنا، تنزل اور ادبار کے ہیں۔([1])

انگلش زبان میں اس کے ہم معنی لفظ Decline ہے۔

Decline:

1.to slope or cause to slope down.

2.Gradual loss.([2])

تدریج کے ساتھ نقصان ہونا اور ضائع ہونا، اسی طرح اخلاقی اعتبار سے کمی کا شکار ہونا۔

زوال کا اصطلاحی معنی:

زوال کسی قوم کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی اعتبار سے بے وقار ہو جانا زوال کہلاتا ہے۔
زوال کا ظاہری پیمانہ تو کسی قوم کا بے وقت ہو جانا ہے لیکن اس زوال کے پیچھے بہت سارے عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اور زوال سے ہر گز یہ مراد نہیں ہوتا کے کوئی قوم سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی تمام جہات سے کمزور ہو چکی ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔
اور کوئی بھی قوم محض دولت کی فروانی کی وجہ سے عروج پر نہیں پہنچ سکتی کیونکہ ایک قوم نہایت دولت مند ہونے کے باوجود سائنسی اور تکنیکی وسائل کی کمی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے پس ماندہ رہ سکتی ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی قوم مکمل زوال کا شکار ہو بلکہ کوئی قوم کم زوال والی اور کوئی زیادہ زوال والی بھی ہو سکتی ہے۔

اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ زمین کا اقتدار اسی کو دیا جاتا ہے جو اس کے قابل ہو۔ جو قوم ان اصولوں کو پورا کرتی ہے، من جانب اللہ اسے حکومت و اقتدار سے نوازا جاتا ہے اور جو قومیں ان خدائی اصولوں کو پامال کرتی ہیں تو اصل مالک کی طرف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور کسی اور قوم کو نیابت ارضی کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ یہی معاملہ بنی اسرائیل کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ جب تک الہامی تعلیمات کے پابند رہے خلافت ارضی کا شرف انہیں بخشا گیا لیکن جب بنی اسرائیل اپنے اس منصب کو بھول گئے تو انہیں اس ذمہ داری سے ہٹا دیا گیا۔

([1]) قائد اللغات ص ٦۴٢

([2]) COllins Eng Dictoary,p239

اور قرآن کریم اور احادیث میں جہاں پر یہود کے عظیم الشان عروج اور ان کے اسباب عروج کا ذکر ملتا ہے وہاں انکے جرائم کے عوض انکی تباہی وبربادی اور اسباب زوال بھی مذکور ہیں۔ جن کا تذکرہ درجہ ذیل اوراق میں کیا جارہا ہے۔

اعتقادی پسماندگی:

دینی نقطہ نگاہ سے قوموں کی ترقی اور تنزلی میں نظریات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ الہامی تعلیمات کی روشنی میں اقوام کی ترقی کی بنیاد عقیدہ اور اس کے لوزمات کی پاسداری سے مشروط کر دیا گیا ہے۔زندگی گزارنے کے اصولوں میں سب سے سہر فہرست عقیدہ توحید کو رکھا گیا ہے،جیسا کہ ہم اسباب عروج میں اس کا ذکر کر چکے ہیں ۔عقیدہ کی پس ماندگی سے زندگی کی پس ماندگی شروع ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ عقیدہ کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم کو بیان کیا جائے۔

عقیدہ کا لغوی مفہوم:

عقیدہ، عقد سے ماخوذ ہے۔ لغت کی کتابوں میں عقیدہ کے لغوی معانی کچھ یوں بیان ہوئے ہیں:

"العقيدة من العقد وهو العقد والاجرام والاحكام والتوثق الشد بقوة والتماسک والمراحة والاثبات ومنه اليقين والجزم"(1)

ترجمہ: عقیدہ عقد سے ہے، مضبوط ربط، مضبوطی سے کسی چیز کو پکڑنا، تمسک، ثبوت اور اسی سے یقین جازم ہے۔

عقیدہ کی اصطلاحی تعریف:

"هي الايمان الجازم،الحكم القاطع الذى لا يقبل الشک فيه لدى معتقدة ويجب ان يكون مطابقاللواقع هذا هو المعنىٰ العام لعقيدة"(2)

عقیدہ ایمان جازم، قطعی حکم جس میں شک کی گنجائش نہ ہو،اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ واقع کے مطابق ہو اور یہ عمومی معنیٰ ہے عقیدہ کا۔

اور اسلامی عقیدہ کی تعریف اہل علم نے کچھ یوں کی ہے۔

"والعقيدة الاسلامية هى الايمان الجازم بربوبية الله تعالىٰ والوهيته واسمائه وصفاته وملائكته و كتبه ورسله و اليوم الآخر والقدر خيره وشره وسائر ماثبت من امور الغييب واصول الدين وماجمع عليه السلف الصالح والتسليم التام لله تعالىٰ فى الامر والحكم والطاعة لرسوله"(3)

---

(1) تاج العروس من جواھر القاموس، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، دار الھدایہ،2010ء،۸:۳۹۹

(2) الوجیز فی عقیدۃ السلف الصالح، عبد الحمید الاثری، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ ولاتفامق السعودیۃ، طبعہ، اولیٰ، ص:۳۰

(3) مباحث فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، ناصر بن عبد الکریم العقل، دار الوطن للنشر، طبعہ، اولیٰ، ۱۴۱۲ھ، ص:۹

ترجمہ: اور عقیدہ اسلامیہ :وہ جازم ایمان ہے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت پر، صفتِ الوہیت پر اور اسماء صفت پر، اللہ تعالیٰ کے ملائکہ، نازل کردہ کتب پر، رسولوں پر اور آخرت کے دن پر اور اچھی اور بری تقدیر پر اور تمام چیزوں پر جن کا تعلق امورِ غیبیہ سے ہے اور اصول دین پر اور جس پر سلف کا اجماع ہے۔

مطلب جن چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ نے ہمیں دیا ہے اور جو چیزیں امور غیبیہ کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول نے ان کی خبر دی ہے ان پر کامل یقین اور کامل تصدیق، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب لوگ دینوی اور اخروی اعتبار سے وہی ہیں جو اس عقیدہ اسلامی پر کاربند ہوں۔

عقیدہ میں شرک کا در آنا:

اس کائنات میں انسان سے صادر ہونے والا سب سے بڑا جرم شرک ہے خالق کی ناراضگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور جب قوم اس جرم کا ارتکاب کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اس سے ہٹ جائے گی اور جب مدد الٰہی نہ رہی تو قوم کے لیے یقیناً زوال کا پھندا ہوتا ہے۔

فرعون کی غلامی نے بنی اسرائیل کو ذہنی طور پر اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا تھا۔ حالانکہ یہ وہ قوم تھی جسے اللہ تعالیٰ نے غلامی سے نجات دی اور ان کے لیے سمندر کو کاٹا۔ ان کے دشمن کو ہلاک کیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے صریح شرک کا مطالبہ کیا۔

ان کے اس شرک کے مطالبے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَامُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ (1)

ترجمہ: بنی اسرائیل کو ہم نے سمندر سے گزار دیا۔ پھر وہ چلے اور راستے میں ایک ایسی قوم پر ان کا گزر ہوا جو اپنے بتوں کی گرویدہ بنی ہوئی تھی، کہنے لگے، اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی کوئی ایسا معبود بنا دے جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حنین کی طرف نکلے تو ایک بیری کے پاس سے گزرے تو عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اسے ہمارے لیے لٹکانے کی جگہ قرار دے دیجئے جیسے یہ کفار کے لیے لٹکانے کی جگہ ہے۔۔۔ کفار اپنے درخت کے ساتھ لٹکایا کرتے تھے۔۔۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "اللہ اکبر" یہ بات ایسی ہے جیسی بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ ہمارے لیے ایک ایسا خدا بناؤ جیسے ان کے خدا ہیں۔ بیشک تم ان لوگوں کے طریقے پر چل رہے ہو جو تم سے پہلے تھے۔ (2)

---

(1) سورۃ الاعراف ۷:۱۳۸

(2) سنن ترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی، دارالسلام للنشر والتوزیع الریاض ۱۴۳۰ء کتاب الفتن، باب ماجاء لترکبن سنن من کان قبلکم، ح ۲۱۸۰ ص ۶۵۹

مصر سے نکلنے کے برسوں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفۂ اوّل حضرت یوشع بن نون علیہ السلام اپنی آخری تقریر میں ہی بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تم خداوند کا خوف رکھو اور اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اسکی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کردو جن کی پرستش تم کو بری معلوم ہوتی ہے۔ آج ہی تم اسے جس کی پرستش کروگے چن لو۔۔۔اب رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوند ہی کی پرستش کریں گے۔"[1]

یہود کے اندر شرک کے پائے جانے پر قرآن وتورات دونوں میں متعدد دلائل موجود ہیں اور یہ قبیح عمل ان کی تباہی و بربادی کا سبب اور ذریعہ بنا۔اور اسی طرح اعتقادی پسماندگی میں دیگر بہت ساری برائیاں ہیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں۔

اہام وخرافات اور طاغوت پر ایمان:

اکثر یہود اوہام وخرافات کے پیچھے پڑے ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بجائے طاغوت کے آگے گھٹنے ٹیکے ہوئے تھے۔

جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾[2]

ترجمہ: کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا؟ جو بت اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کفار کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ رائے راست پر ہیں۔

عقیدہ آخرت میں خرابی پیدا ہونا:

یہود شرک و بدعت اور خرافات جیسی بد اعتقادیوں کے ساتھ ساتھ اخروی عذاب کے متعلق بھی غلط نظریے کے معتقد تھے۔ان کی اس بد اعتقادی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾[3]

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں ہم تو صرف چند دن جہنم میں رہیں گے ان سے کہو کہ کیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد ہے؟ اگر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ بلکہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جنہیں تم نہیں جانتے۔

---

(1) بائبل یشوع ۱۵-۱۲:۲۲

(2) سورۃ النساء:۴:۵۱

(3) سورۃ البقرۃ:۲:۸۰

یہودیوں کے اعتقاد کے مطابق دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے اور ہم ہزار سال کے بدلے ایک دن جہنم میں رہیں گے ،اس حساب سے ہم صرف سات دن جہنم میں رہیں گے ۔کچھ کہتے ہیں ہم نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی سو ہم چالیس دن ہیں جہنم میں رہیں گے ۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اللہ سے عہد لیا ہے ؟یہ بھی استفہام انکاری ہے یعنی یہود جھوٹ کہتے ہیں اللہ کے ساتھ ان کا ایسا کوئی عہد وپیماں نہیں۔[1]

حضرت یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر میں منتقل کیا جو کہ اس وقت تہذیب انسانی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔چونکہ مصر میں اس وقت شرک پایا جاتا تھالہذاانہیں مشرکانہ تہذیب سے بچانے کے لیے الگ تھلگ زمین میں بسایا گیا۔[2]

لیکن اس کے باوجود ان میں مشرکانہ سوسائٹی میں رہنے کی وجہ سے دوبارہ شرک داخل ہو گیا۔اور جبکہ یہ دور ان کے لیے عروج کا دور تھا اور مصر میں ان کو بڑااثرورسوخ حاصل ہوا۔پندرہویں صدی قبل مسیح کے آخر تک ملک کا سارا اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔لیکن اپنی بداعمالیوں اور شرک کے ارتکاب کی وجہ سے اقتدار ان سے چھن گیااور ان پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں آتا ہے۔[3]

یوشع بن نون کے زمانے میں بنی اسرائیل نے شام وفلسطین کو فتح کرلیا۔اب فلسطین میں بھی ایک خداپرست قوم آباد ہو گئی اور یہاں بھی معاملہ عین مصر کے جیسا رہا۔مگر صدیوں کے تعامل کی وجہ سے پھر وہی کچھ ہوا جو مصر میں ہوا تھا کہ بنی اسرائیل میں شرک کے اثرات تیزی سے داخل ہو گئے۔توفسلطین میں آباد مشرک اقوام نے مل کران پر حملے کے شروع کر دیئے۔

قتل انبیاءاور ان کی نافرمانی:

یہود پر اللہ تعالیٰ نے مسلسل انبیاءورسل مبعوث کیے جو کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑاانعام تھااور ان جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا ذکر جیسا کہ ہم انبیاے بنی اسرائیل میں کر چکے ہیں۔لیکن یہود نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بجائے ہر قدم پر نافرمانی کی ،ان کو جھٹلایااور ان کے لائے ہوئے احکام کی اتباع کی بجائے نافرمانی کی اور ان کو قتل کر نے سے بھی گریز نہ کیا۔یہود انبیاے کرام علیہم السلام کی تکذیب سے بھی باز نہ آئے۔

تورات یہود کا انبیاء کے ساتھ اس ظالمانہ رویہ کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہے:

---

(1) تفسیر احسن البیان، ص:۸۴

(2) پیدائش:۶/ ۴۷

(3) تفہیم القرآن ۳،۳۸۱-۳۸۲

"اے یروشلم توں نبیوں کو قتل کرتی ہے جو تیرے پاس پہنچے۔اور ان کو سنگ سار کرتی ہے"۔[1]

اور قرآن کریم میں بھی متعدد آیات اس پر دالالت کرتی ہیں۔

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ [2]

ترجمہ: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور ان کے پیچھے رسول بھیجے اور ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی لیکن جب تمہارے پاس اللہ کے رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

ان نافرمانوں کا زوال تو مقدر تھا کیونکہ انہوں نے تو انبیاے کرام علیہم السلام کے قتل سے بھی گریز نہ کیا جو کائنات کے عظیم ترین انسان تھے۔ان کے اس قبیح جرم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ [3]

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے ہیں اور جو لوگ عدل وانصاف کی بات کہیں انہیں بھی قتل کر دیتے ہیں تو اے نبی! ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب قیامت والے دن اس شخص کو ہو گا جسے نبی نے قتل کیا ہو یا اس نے نبی کو قتل کیا ہو اور گمراہی کا امام اور تصویر بنانے والا۔[4]

مذکورہ آیات یہود کی انبیاے کرام علیہم السلام کی نافرمانی اور مخالفت کی واضح دلیلیں ہیں اور یہود کی نافرمانیاں تو بہت زیادہ ہیں جو کہ انبیاء کی مخالفت میں انہوں نے کی ہیں مثلاً ان کے زوال میں جن جرائم کا ذکر ہے وہ ساری برائیاں ہیں جن سے انہیں انبیاے کرام علیہم السلام نے روکا لیکن انہوں نے اطاعت کی بجائے نافرمانی کی اور مخالفت والا راستہ اختیار کیا جبکہ انبیاے کرام علیہم السلام کی بعثت کا تقاضا ہی ان کی اتباع تھا۔تو جب انہوں نے انبیاء

---

[1] بائبل، گنتی:۲۹:۲۳

[2] سورۃ البقرہ:۲:۸۷

[3] سورۃ آل عمران:۳:۲۱

[4] المعجم الاوسط، امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، دار الفکر، ۱۹۹۹ء، حدیث نمبر:۱۰۵۱۵، نیز مسند احمد، ص:۷۰۴/۱۔ امام البانی نے صحیح کہا ہے۔ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ناصر الدین البانی، مکتبہ المعارف نشر والتوزیع ۱۹۹۵ء، حدیث نمبر:۲۸۱

علیہم السلام کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی پکڑ آگئی تو ان کا عروج چھین گیا اور وہ زوال کے مصداق ٹھہرے۔

جہاد سے اعراض:

یہود کے زوال کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب ان میں بزدلی جیسی بدترین خصلت کا پایا جانا تھا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے جہاد سے منہ موڑنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب موسی علیہ السلام نے ان سے کہا:

﴿يَاقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ﴾ (1)

ترجمہ: قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں ہیں تب تک ہم وہاں نہیں جائیں گے اس لیے تم اور تمہارا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑو ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔

امام ابن کثیر بیان فرماتے ہیں:

جب فرعون بحر قلزم میں غرق ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اطلاع دی کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر فلسطین پر چڑھائی کا حکم دیا اور فتح کی نوید سنائی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو فتح دے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جہاد کی

ترغیب دی لیکن انہوں نے کہا پہلے ہم فلسطین کے حالات سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ بارہ آدمیوں کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے فلسطین روانہ کیا گیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ حالات جیسے بھی ہوں آکر صرف مجھے بتانا ہے لیکن انہوں نے واپسی پر ہر ایک کو مطلع کر دیا کہ یہ علاقہ بڑا زرخیز ہے اور وہاں کے لوگ بڑے طاقتور ہیں، ان سے فتح حاصل کرنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا فتح حاصل کرنا ممکنات میں سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ علاقہ ہمارے مقدر میں لکھا ہوا ہے تو۔ لیکن یہ قوم مدتِ دراز سے فرعونیوں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہی تھی اور بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے بزدل تھی کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگی اگر تمہیں جہاد پر اتنا اصرار ہے تو جاؤ تم اور تمہارا رب ان سے مقابلہ کرو۔ (2)

تو معلوم یہ ہوا جہاد سے اعراض ان کی ذلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے اور اس اعراض کی بنیادی وجہ ان کا دنیا کی زندگی سے محبت کرنا اور اسی وجہ سے ان دل بزدل ہو چکے تھے۔

احکام الٰہی کی نافرمانی:

یہود نے کتبِ الٰہی کی قدر نہیں کی، اللہ تعالیٰ کے کلام سے بے اعتنائی برتی، اس کے احکام سے روگردانی کی

---

(1) سورۃ المائدۃ:۵:۲۱

(2) تفسیر ابن کثیر، (مولانا محمد جوناگڑھی) ۲:۹۷

توذلت ورسوائی ان کا مقدر بنی۔ انہوں نے کتب الٰہی سے انحراف کیا ان کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بے یار ومدد گار چھوڑدیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ اس نے ان کی طرف جو کتابیں بھیجی ہیں، اگر وہ انہیں مضبوطی سے تھام لیں، ان کی تعلیمات پر عمل کرتے رہیں تو اخروی نجات کے ساتھ ان کو دنیا کی فلاح اور کامیابی عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ (1)

ترجمہ: اگر انہوں نے تورات اور انجیل اور دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں، تو یہ لوگ اپنے اوپر سے اور نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے۔ ایک جماعت تو ان میں درمیانہ روش کی ہے، باقی ان میں سے بہت سے لوگوں کے برے اعمال ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تشریح بیان کرتے ہیں:

"اگر یہ لوگ تورات، انجیل اور قرآن مجید کو مان لیں، کیونکہ تورات وانجیل کو ماننا اس قرآن کو ماننے کو لازم کردے گا۔ ان کی صحیح تعلیم یہی

ہے کہ یہ قرآن سچا ہے، اس کی اورآخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تصدیق پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی کتابوں کو بغیر تاویل و تفسیر اور تحریف و تبدیل کے مان لیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی حقانیت کا درس دیتی ہیں جو آنحضرت ﷺ بتاتے ہیں۔"(2)

قرآن مجید میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ یہود کو تورات میں حکم ملا یا تو انہوں نے ماننے سے انکار کردیا یا پھر اس میں تبدیلی کی یا تحریف و تاویل سے کام لیا۔ گویہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب میں موجود احکام کی اطاعت وفرمانبرداری کے بجائے نافرمانی کرتے رہے۔

غرض یہود نے اللہ تعالی کی کتابوں پر عمل ہی نہیں ترک کیا بلکہ ان کتب میں تحریف اور تبدیلی بھی کی جس کیوجہ سے اللہ تعالی نے ان کو تباہ وبرباد کیا۔

شریعت الٰہی میں دخل اندازی:

انسان عموماً اپنی انفرادی زندگی میں دین پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے اور اس کا جزبہ بھی رکھتا ہے۔ لیکن جب قانون کی بات آتی ہے کہ اجتماعی زندگی میں الٰہی قانون پر عمل کیا جائے تو اچھے اچھے دیندار یا تو پلہ جھاڑ لیتے ہیں یا پھر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ احکامِ شریعت جو خصوصاً قانونی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں وہ دین کا حصہ ہی نہیں ہیں۔ یہی وجہ

---

(1) سورۃ المائدۃ:۵:۶۶

(2) تفسیر ابن کثیر، ۲:۱۴۳

ہے کہ وہ لوگ بھی جو اقامت توحید پر اپنا سارا زور صرف کر دیتے ہیں لیکن ان کی نگاہ میں غیر الٰہی قانون ماننا اور اس کی بقا کی کوشش کرنا کوئی بے عقیدگی کی بات نہیں ہے۔ کچھ ایسا ہی معاملہ بنی اسرائیل کا بھی تھا۔ قرآن نے یوں بیان کیا:

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ﴾ (1)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا کچھ حصہ کتاب کا (جب) بلائے جاتے ہیں کتاب الٰہی کی طرف تاکہ تصفیہ کر دے ان کے باہمی جھگڑوں کا تو پیٹھ پھیر لیتا ہے ایک گروہ ان میں سے درآنحالیکہ وہ روگردانی کرنے والے ہوتے ہیں۔

اور اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾(2)

ترجمہ: کیا تم کتاب اللہ کے بعض احکام کو مانتے ہو اور بعض سے انکار کر دیتے ہو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت عذاب میں ڈال دیے جائیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

﴿وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(3)

ترجمہ: اور اہل انجیل کو چاہیے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی نافرمان ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دین پر ہونے کو ہی تسلیم نہیں کیا کہ جب تک وہ عامل کتاب نہیں ہیں۔

﴿قُلْ يَا اَهلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوْا التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾(4)

ترجمہ: اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے !اے اہل کتاب !تم ہر گز اصل دین پر کاربند نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم تورات اور انجیل اور اپنے رب کی طرف سے نازل کی گئی (دوسری) کتابوں کے احکام پر ٹھیک ٹھیک عمل نہ کرنے لگو۔

غرض یہ واضح دلائل ہیں یہود کی شریعت میں دخل اندازی کے اور اس جرم کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے حالات تنگ کیے اور دنیا اور آخرت کی رسوائی ان کا مقدر بنی۔

---

(1) سورۃ آل عمران ۳:۲۳

(2) سورۃ البقرۃ ۲: ۸۵

(3) سورۃ المائدہ ۵: ۴۷

(4) ایضا: ۵: ۶۸

تفرقہ بازی:

اختلاف اتنی بری بیماری ہے کہ جب کسی قوم میں یہ بیماری آجاتی ہے تو وہ قوم اتحاد کی دولت سے خالی ہو جاتی ہے نیز قوم گروہوں اور فرقوں میں بٹ جاتی ہے۔اورایسی اقوام پر دشمن آسانی سے غالب آجاتا ہے۔یہود کو انبیاے کرام علیہم السلام نے وحدت و اتفاق کا درس دیا لیکن انہوں نے دیگر جرائم کی طرح اس جرم سے بھی اعراض نہیں کیا اور انبیاے کرام علیہم السلام کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا اور فرقوں میں بٹ گئے۔اور یہ تفرقہ بازی ان میں مذہبی اور سیاسی دونوں حوالے سے پائی جاتی تھی۔

قران کریم میں اللہ تعالی نے امت محمد ﷺ یہود کی طرح فرق میں بٹنے سے روکتے فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾[1]

ترجمہ: اور اُن جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور اُن میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انہیں آچکی تھیں اور اُنکے لئے بڑا عذاب ہے۔

اور تورات بھی اس بات کی شاہد ہے کہ یہود کی تباہی کی وجوہات میں ایک وجہ ان کا فرقوں میں بٹنا تھا:

تواریخ میں ہے کے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد یہود پر دنیا پرستی کا شدید غلبہ ہوا اور انہوں نے دو سلطنتیں بنا لیں شمالی فلسطین شرق اردن سلطنت اسرائیل جسکا پایا تحت سامریہ قرار پایا اور جنوبی فلسطین اور ادوم کے علاقے میں سلطنت یہودیہ جسکا پایا تحت یروشلم رہا۔اور ان میں اسرائیلی ریاست کے باشندے ہمسایہ قوموں کے مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد سے سب سے زیادہ متاثر ہوئے۔تو اس وقت اللہ تعالی کا عذاب اشوریوں کی شکل میں دولت اسرائیل پر آیا اور نوویں صدی قبل مسیح سے فلسطین پر اشوری فاتحین کے مسلسل حملے شروع ہو گے۔[2]

اور دوسری طرف یہودیہ وہ بھی شرک اور اخلاقی برائیوں کا مرتکب ہوئے تو بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری دولت یہودیہ کو مسخر کر لیا۔[3]

مذکورہ دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے جس طرح دیگر جرائم یہود کی تباہی کا سبب بنے تو اسی طرح تفرقہ بازی بھی ان کے زوال کی ایک بڑی وجہ ہے۔

امر بالمعروف و نھی عن المنکر کے فرائض سے انحراف:

یہود کی دیگر بری خصلتوں میں ایک بری خصلت یہ بھی تھی کہ وہ برائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی منع نہ کیا کرتے

---

(1) سورة آل عمران:۳:۱۰۵

(2) تواریخ 21: 12 تا 15، نیز دیکھیے، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ص۲۹

(3) ایضا

تھے روکنے کی کوشش بھی نہ کرتے، ان کی اس بری خصلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تو تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داود اور عیسی ابن مریم علیہم السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور وہ زیادتیاں کرنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو بڑے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا کتنا برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

تناھی کے دو معانی ہوسکتے ہیں:

(۱) تناھی بمعنی باز آنا، رک جانا، یعنی جو اعمال بد یہود کیا کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے لاکھ سمجھاؤ سرکش کھوڑے کی طرح نافرمانی کی راہ سرپٹ دوڑے چلے جاتے تھے۔

(۲) دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔([2])

غرض تورات، انجیل، زبور، قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی ہیں کیونکہ یہ ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے لیکن خاموش بیٹھے رہتے تھے۔

حرص دنیا کا غلبہ:

مشرکین جنت و دوزخ، عذاب و ثواب، غرض آخرت کے تمام امور کے منکر تھے لیکن اس کے برعکس یہود روز جزا کے قائل تھے اور اپنی بدکاریوں کا حال بھی انہیں معلوم تھا لہذا وہ دنیا کی زندگی کے بہت زیادہ حریص تھے۔ اگرچہ دنیا کی زندگی عزت کی ہو یا ذلت کی اس سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی جبکہ یہ لمبی زندگی آخرت میں ان کو بچانا تو درکنار انکے لیے زیادہ عذاب کا سبب بن جائے گی۔

اللہ تعالی کا ارشاد مبارک ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَاهُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ([3])

ترجمہ: بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی ﷺ آپ انہی کو پائیں گے یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی زندگی چاہتا ہے گویا کہ یہ عمر زیادہ چاہنا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا اللہ تعالی ان

([1]) سورۃ المائدۃ:۵/۷۹

([2]) ضیاء القرآن از پیر کرم شاہ، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۲۶ھ، ۱:۶

([3]) سورۃ البقرۃ ۲:۹۶

کے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

امام طبری امام حسن بصری کا قول نقل کرتے ہیں جسکا مفہوم کچھ یوں ہے کہ: یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ لمبی عمریں بھی ان کو عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں تھا اور انہیں تھا پھر ان کی سیاہ کاریاں بھی سامنے تھیں اس لیے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے لیکن ابلیس کے برابر بھی عمریں پائیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔ (1)

تو اس طرح یہود کی تباہی میں اس قسم کے جرائم کا ایک بڑا کردار ہے اور یہی جرائم ہیں جن کی وجہ سے دنیا کی حکمرانی ان سے چھین لی گئی تھی۔

شرعی ضوابط میں دخل اندازی:

دراصل یہود کے دو گروہ تھے ایک غالب تھا دوسرا مغلوب ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب ذی عزت فرقے کا کوئی شخص مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس(۵۰)وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزت والے کو قتل کر دے تو سو(۱۰۰)وسق دیت دے، جب نبی اکرم ﷺ مدینہ میں تشریف لائے اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے طبقے والے یہودیوں میں سے کسی نے اونچے طبقے کے یہودی کو مار ڈالا تو اب اونچے طبقے والے آدمی نے کہا کہ لاو سو وسق دلواؤ تو جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کہ ہیں، ایک ہی دین کے ہیں، ایک ہی نسب کے ہیں، ایک ہی شہر کے ہیں، پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ اب تک تو ہم ناانصافی برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد ﷺ جیسے عادل بادشاہ یہاں آگئے ہیں ہم تمہیں اتنی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دوگے اس بات پر جھگڑے کی نوبت آگئی لیکن پھر یہ تہ پایا کہ جھگڑے کا فیصلہ آنحضرت ﷺ کو سونپ دیا جائے۔

لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو سمجھدار لوگوں نے کہا کہ یہ بات بھول جاؤ کہ کہ محمد ﷺ کسی ناانصافی کا حکم دیں گے یہ صریح زیادتی ہے، اور جب تم نے نبی ﷺ کو ثالث مقرر کیا تو یقینا تمہارا حق مارا جائے گا۔ کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو کسی کو حضور ﷺ کے پاس چپکے سے بھیج دو وہ معلوم کر کے آئے کہ آپ ﷺ کیا فیصلہ کریں گے؟ اور اگر ہماری موافقت میں ہے تو بہت اچھا، چلو اور ان سے حق حاصل کر کے آؤ، اور اگر خلاف ہے تو الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ (2)

---

(1) تفسیر طبری، ۱:۵۵۳

(2) سنن ابی داؤد، اول کتاب القضاۃ، باب فی القاضی یخطی، ح ۳۵۷۶، ص ۶۴۱۔ مجمع الزواہد ومنبع النواہد از حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، ۷:۸۶ ناشر دار الکتاب العربیہ، ۱۹۸۶ء، سلسلہ الصحیحہ رقم الحدیث ۲۵۵۲،

اوران کی سرکشی اور فساد فی الارض کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ (1)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبارہ فساد برپا کروگے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کروگے۔

خواہشات نفس کی پیروی:

انسانی جسم میں 'نفس' ایسی شئی ہے کہ اگر اسے قابو کر لیا جائے تو انسان اپنی اصل معراج کو پاجائے یعنی وہ 'عبد' بن جائے لیکن یہی نفس جب بے قابو ہو جائے تو پھر انسان کی خیر نہیں۔ نفس آدمی کو ہر اس بری راہ پر سرپٹ دوڑا دیتا ہے جو انسان کو ہلاکت میں ڈال کر رہتی ہے، یہود کی ایک بہت بڑی بدقسمتی یہ تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو معبود اور پیغمبروں کو اپنا مطاع بنانے کے بجائے اپنا نفس اور اس کی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا تھا۔

قرآن مجید نے اس کو مختلف جگہوں پر بیان کیا ہے:

﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ (2)

ترجمہ: جب کوئی رسول تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا نفس نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے اور کچھ انبیاء کو جھٹلاتے رہے اور کچھ کو قتل کرتے رہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾(3)

ترجمہ: اور تم سے نہ یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی، یہاں تک کہ ان کے مذہب کو اختیار کرلو۔ کہہ دیجیے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلوگے تو تم کو اللہ سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔

اخلاقی پسماندگی:

اخلاقی پسماندگی بھی قوموں کے تنزل کا ایک بہت بڑا سبب ہے یہود اخلاق سیئہ کی انتہا کو پہنچ چکے تھے، اور ان بد اخلاقیوں کی وجہ سے ان سے زمین کی بادشاہت چھین لی گئی اور زلت اور رسوائی ان کا مقدر بنی۔

---

(1) سورۃ بنی اسرائیل:۱۷: ۴

(2) سورۃ البقرۃ۲: ۸۷

(4) ایضا:۱۲۰

بائبل اس اخلاقی پسماندگی کی گواہی دیتی ہے۔"یوسیع نبی کے زمانے میں جب بنی اسرائیل تیزی سے زوال کی طرف جارہے تھے، ان مین بدکرداری عام ہو چکی تھی اور معبودوں میں حرام کاری کو مذہبی تقدس حاصل ہو گیا تھا،یوسیع نبی نے ان کو کہا ان کی اخلاقی پستی کی ذمہ دار ان کی عبادت گاہیں ہیں۔([1])

الغرض یہود میں لاتعداد اخلاقی جرائم پائے جاتے تھے جسکی وجہ سے اللہ تعالی نے ان پر طرح طرح کے عذاب نازل کیے۔

عہد شکنی:

ان لوگوں نے اللہ تعالی کے عہد کی پاسداری نہ کی، اللہ تعالی نے ان سے وعدہ لیا تھا کی میرے عبادت کرو اور میرے نبی کی اطاعت کرو، اور یہاں تک کہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے طور پہاڑ کو ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا ۔لیکن افسوس کہ انہوں نے کسی طرح بھی اللہ کے وعدوں کی پاسداری نہیں کی۔

اور ان کی عہد شکنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتے ہیں،

﴿أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ([2])

ترجمہ: یہ لوگ جب کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں۔

یہود اس عہد شکنی کی وجہ سے ملعون ٹھرے، اور ان کے دل سخت ہو گئے۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾([3])

ترجمہ: پھر چونکہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑ دیا لہذا ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دے۔

دھوکہ دہی:

یہود کی بری خصتلوں میں سے ایک بری خصلت کہ جیسے بھی ممکن ہو اگرچہ کچھ یہودیوں کو مسلمان بنالیا جائے تو وہ اسطرح وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور انہوں نے اپنی اس سوچ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش بھی کی لیکن وہ ناکام رہے اور انکی اس مذموم حرکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾([4])

ترجمہ: اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑے ایمان لاو اور شام کے وقت کافر بن جاو

([1]) اسلام اور مذہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، 2014ء ص ٦٨

([2]) سورۃ البقرۃ:٢/١٠٠

([3]) سورۃ المائدۃ:٥: ١٣

([4]) سورۃ البقرۃ:٢/٧٢

تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔

یہود نے ایک سازش یہ تیار کی کہ یہود کے چند آدمی اعلانیہ طور پر مسلمان ہو جائیں پھر چند دن بعد یا اس دن مرتد ہو جائیں،اور اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ عرب میں علوم شرعیہ کے عالم مشہور تھے،یہاں تک کہ یہودی کے سوائے دوسرے تمام لوگوں کو امی کہہ کر پکارتے تھے یہودیوں کی مسلمان بننے کے بعد مرتد ہونے سے عام لوگوں میں خود بخود تاثیر پیدا ہو گی لیکن اللہ نے ان کی اس سازش سے اپنے نبی کے ذریعے مسلمانوں کو متنبہ کر دیا([1])

منافقت:

یہود بھی نفاق کے اعلی درجے پر فائز تھے،اگرچہ وہ ایک طرف کتب الہی اور اسکی تعلیم پر عمل کے دعوے دار تھے لیکن دوسری طرف مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے اپنے نفاق پر مبنی مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔

فرمان ربانی ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ([2])

ترجمہ:جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو اپنی ایمان داری ظاہر کرتے ہیں اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ تعالی نے تمہیں سکھائیں ہیں کیا جانتے نہیں کہ یہ تو اللہ تعالی کے پاس تم پر حجت ہو جائے گی یہ لوگ صبح آکر اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور شام کو کفر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

دین کا مذاق اڑانا:

یہود شرعی عبادات وتعلیمات کا مذاق اڑاتے تھے یہاں تک کہ ان کا مشغلہ بن چکا تھا اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے دوستی کرنے سے منع کیا۔

فرمان باری تعالی ہے:﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾([3])

ترجمہ:مسلمانوں ان لوگوں کو دوست نہ بناو جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل بناتے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دئے گئے یا کفار میں سے اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے:﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ([4])

([1]) تیسر القرآن،ا: ۶۷۸

([2]) سورۃ البقرۃ،۲: ۷۶

([3]) سورۃ المائدہ:۵/۵۷

([4]) ایضا،۵: ۵۸

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھرا لیتے ہیں یہ اس لیے کہ بے عقل ہیں۔
اور اذان کے متعلق یہود کہا کرتے تھے کہ یہ کیا نئی رسم نکال لی ہے جسکا پہلے دینوں میں نام و نشان تک نہیں یہ شور و غل نا قابل برداشت ہے ،بجائے اس کہ اپنے گھنٹوں اور ناکوسوں کی بے معنی چیخ کے مقابلے میں آذان کے پیارے پیارے اور معنی خیز جملوں کی قدر کرتے وہ الٹا تمسخر اڑاتے۔([1])
اور جب کوئی قوم شعائر اللہ کا تمسخر اڑاتی ہے تو لازمی ہے وہ اللہ کے عذاب کی مستحق ٹھری۔

دین داروں کے مقابلے میں بے دینوں کی حمایت اور دوستی :

یہود حقیقت میں کافروں اور مشرکوں کو مسلمانوں سے زیادہ بہتر اور ہدایت پر قرار دیتے تھے۔
جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:
﴿وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَى مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾ ([2])
ترجمہ: اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔
اور اسی کے متعلق اللہ تعالی ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:
﴿تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ﴾ ([3])
ترجمہ: ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے اللہ تعالی ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔
یہود کا مشرکین کو مسلمانوں سے زیادہ ہدایت پر کہنا اور مشرکین سے دوستی ان پر کی گئی لعنت کا باطنی اثر تھا۔ ظاہری اثر یہ ہوا کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا، اور باطنی یہ کہ اللہ پر اس کے انبیاء پر اس کی کتاب پر اور روز آخرت پر ایمان رکھنے کے باوجود وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھتے ہیں جن کا نہ روز آخرت نہ کسی کتاب پر اور نہ کسی نبی پر
ایمان ہے، بلکہ دیوی اور دیوتاؤں کے معتقد ہیں۔([4])
تو جب قوم اس قسم کے جرائم کی مرتکب ہو گی تو اللہ کی مدد کیسے ممکن ہو سکتی ہے، کیوں کہ اللہ تعالی نے اپنا انکار کرنے والوں سے دوستی رکھنے سے روک دیا ہے۔

([1]) ضیاء القرآن:۱:۴۳۶

([2]) سورۃ النساء:۴/۵۱

([3]) سورۃ مائدہ:۵/۸۰

([4]) تیسر القرآن،۱: ۵۷۱

جنگ کی آگ بھڑکانا اور فتنہ پھیلانا:

بنی اسرائیل کی تاریخ فتنہ وفساد سے بھری پڑی ہے اور یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دور میں بھی انہوں نے فتنہ وفساد اور جنگ کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بجائے آپ ﷺ سے بد عہدیاں اور شرارتیں کرتے رہے جس کے نتیجے میں کچھ قتل کیے گئے کچھ غلام بنائے گئے، کچھ جلاوطن کئے گئے، یہاں تک کہ دور فاروقی میں ان کے فتنہ وفساد کی وجہ سے خطہ عرب سے نکال دیا گیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كلماأَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾[1]

ترجمہ: وہ جب کبھی برائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بجادیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا۔

اور ان کے اس سرکش فساد فی الارض کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا﴾ [2]

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دوبارا فساد برپا کروگے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کروگے۔

ظلم کرنا، سودی لین دین کرنا، اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا:

آج اگر یہود دنیامیں سب سے بڑی سود خور قوم ہے، اور دولت جمع کرنے میں ہر حیلہ اور فریب سے کام لینے میں ضرب المثل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے دین نے ان کو اس بات کی اجازت دی، اس لیے تورات اور قرآن نے بتایاہے کہ ان باتوں سے انہیں منع کیا گیا تھا لیکن وہ باز نہ آئے۔

جیسا کہ تورات میں:

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ روپے کا سود ہو یا اناج کا تاکہ خدا تیرے کاموں جن کو تو ہاتھ لگائے برکت ڈالے"[3]

اور فرمان الٰہی ہے:

﴿فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًاوَأَخْذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا---﴾ [4]

---

(1) سورۃ المائدہ:۵/۶۴

(2) سورۃ بنی اسرائیل:۱۷/۴

(3) بائبل پرانہ عہد نامہ، کتاب استثناء، ۲۳: ۱۷تا۲۰

(4) سورۃ النساء:۴/۱۶۰، ۱۶۱

ترجمہ: ہم نے حلال چیزیں ان پر حرام کر دی ان کے ظلم کے باعث اور اللہ تعالی کی راہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث اور سود جس سے منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث اور ان میں جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر کھا ہے۔

اور ان کی انہی بدترین خصلتوں کی وجہ سے ان پر بعض حلال چیزیں بھی حرام کر دی گئی تھیں۔

جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَاحَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: اور یہود پر ہم نے تمام ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکری میں سے ان دونوں کی چربیاں ان پر حرام کر دی تھیں مگر وہ جو ان کی پشت پر یا انتڑیوں میں لگی یا ہڈی سے ملی ہو ان کی بغاوت کے سبب ہم نے ان کو یہ سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں۔

متکبرانہ رویہ:

یہ مذموم خصلت بنی اسرائیل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور اسی وجہ سے انہوں نے انبیاء کو جھٹلایا اور انکی لائی ہوئی تعلیم سے منہ موڑا۔

فرمان الہی ہے:

﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ ([2])

ترجمہ: لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمھاری طبیعتوں کے خلاف تھی تم نے جب سے تکبر کیا پس بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا۔

حقیقت یہ ہے کہ تکبر کرنے والے کی نگاہ اللہ تعالی کی آیت کی طرف اٹھتی ہی نہیں خواہ پوری کائنات اللہ کی نشانیوں سے بھری ہوئی ہو اور اگر کوئی خرق عادت معجزہ دیکھ لیں تو اس کی تاویلات تلاش کرنے پر تو تیار ہو جاتے ہیں لیکن رائے راست پر آنے کا نام نہیں لیتے۔

حسد کرنا:

یہود کی کتابوں میں اللہ کے نبی ﷺ کی تصدیق موجود تھی اور آپ ﷺ کی صفات جانتے تھے، لیکن حسد کی بنا پر کہ آپ ﷺ کو عرب کی طرف مبعوث کیوں کیا، کفر اور انکار پر آمادہ ہو گئے بلکہ اور لوگوں کو بھی بہکانا

([1]) سورۃ الانعام:٦: ١٤٦

([2]) سورۃ البقرہ٢:٨٧

شروع کر دیا اور اسی حسد کی وجہ سے وہ کسی کو اسلام کی طرف جانے نہیں دیتے تھے بلکہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے ان کو بھی سنہرے باغ دیکھا کر مرتد کرنا چاہتے تھے۔

انکی اسی بری خصلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد الہی ہے:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ([1])

ترجمہ: اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق بات کے واضح ہو جانے کہ محض حسد اور بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے یقینا اللہ تعالی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے:

"حیی بن احطب اور ابو یاسر بن احطب یہ دونوں یہودی تھے اور سب سے زیادہ مسلمانوں کے حاسد تھے لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور عرب سے جلتے تھے"([2])

اور نبی ﷺ پر اللہ نے جو اپنا بہت بڑا احسان نبوت کی شکل میں کیا تھا یہود اس پر حسد کرتے تھے، چونکہ آپ ﷺ عربی تھے بنی اسرائیل میں سے نہ تھے۔

جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾([3])

ترجمہ: یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالی نے اپنے فضل سے انہیں دیا پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے۔

انعامات الہی کی ناشکری:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی بڑی بڑی نشانیوں کا ظہور کیا اور بڑے بڑے انعامات سے انہیں نوازا۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ ان انعامات کے بدلے میں بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور دل سے اس کی عبادت کرتے اور آنے والے انبیاء و رسل علیہم السلام کی اتباع کرتے لیکن افسوس کہ انہوں نے اس کے بالکل ہی برعکس کیا۔

([1]) سورۃ البقرہ، ۲:۱۰۹

([2]) تفسیر ابن ابی حاتم، ابن ابی حاتم، مکتبہ نزار مصطفی الباز المکتبہ العربیہ السعودیہ، طبع ثالثہ، ۱۴۱۹ھ ۲:۲۳۵

([3]) سورۃ النساء: ۴/۵۴

یہاں تک کہ شکر کی بجائے نافرمانی، اتباع کے بجائے مخالفت اور قبول کے بجائے انکار کیا۔ یہ ان کے زوال کی سب سے بڑی وجہ بنی۔ کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَئِن شَكَرتُم لَأَزِيدَنَّكُم--﴾[1]

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروگے تو وہ تمیں اور عطا فرمائے گا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُالْعِقَابِ﴾[2]

ترجمہ: بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں اور جو اللہ کی آئی ہوئی نعمت کو بدل دے تو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اب ہم چند ان انعامات کا تذکرہ کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر کئے لیکن انہوں نے ناشکری کی۔

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات انکی ناشکری کی:

جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی حالانکہ وہ بنی اسرائیل پر ظلم کرتھا اور بنی اسرائیل ظلم کی چکی میں پستے جارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کا وعدہ فرمایا، موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر کوہِ طور پر گئے تو پیچھے قوم نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ ان کی نافرمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ﴾[3]

ترجمہ: اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا، پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو پوجنا شروع کردیا اور ظالم بن گئے۔

فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل جزیرہ نمائے سینا میں پہنچ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر گئے، اس قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کردی، حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے، خلوصِ دل سے اس کی عبادت کرتے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے۔

ناشکری کی مثالیں:

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا کہ ان کو ایسے عالم میں کہ جب وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہورہے تھے۔ اور طرح طرح کے مصائب وتکالیف کا شکار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بطورِ انعام فلسطین کو ان کا مسکن بنایا۔ لیکن بنی

---

[1] سورۃ ابراھیم:۱۴:۷

[2] سورۃ البقرۃ:۲: ۲۱۱

[3] ایضا،۲: ۵۱

اسرائیل نے بجائے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے اختلاف کیا۔اس طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّى جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾([1])

ترجمہ: اور بیشک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری روزی عطا کی تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد۔ بیشک تمہارا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کر دے گا جس بات میں وہ جھگڑتے تھے۔

بنی اسرائیل نے ایک تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بجائے آپس میں اختلاف شروع کر دیا۔ پھر یہ اختلاف بھی لاعلمی اور جہالت کی بنیاد پر نہیں کیا بلکہ علم حاصل ہو جانے کے بعد کیا جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ اختلاف محض عناد و تکبر کی بنیاد پر تھا۔([2])

سمندر پار کرانا اور انکا رویہ:

ایسے عالم میں کہ جب بنی اسرائیل کا دشمن ان کا پیچھا کر رہا تھا اور سامنے سمندر تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اپنا بہت بڑا انعام فرمایا کہ انہیں سمندر بھی پار کرایا اور ان کے دشمن کو اس سمندر میں فرق بھی کر دیا۔ لیکن اس کے فوراً بعد یہ اللہ تعالیٰ کے اتنے بڑے انعام کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے جاہلانہ مطالبہ کرنے لگے۔ جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَى أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يَامُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾([3])

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتار دیا۔ پس ان لوگوں کا ایک قوم پر گزر ہوا جو اپنے چند بتوں سے لگے بیٹھے تھے، کہنے لگے اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دو جیسا ان کے یہ معبود ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے انہوں نے بجائے شکر کے ناشکری کی اور جہالت پر مبنی سوال کرنے لگے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دریا پار کر لیا تو بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان نشانی دیکھ چکے تھے۔ پھر ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو بتوں کو لئے بیٹھی تھی، کہنے لگے اے موسیٰ! "ہمارے لیے ایک معبود

([1]) سورۃ یونس:۱۰: ۹۳

([2]) تفسیر احسن البیان:۵۹۱

([3]) سورۃ یونس:۱۰: ۹۰

بنادو جیسا کہ ان لوگوں کے لیے معبود ہیں" موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے جاہل ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کو بھول بیٹھے ہو۔ وہ تو ایسی باتوں سے بری ہے کہ اس کا کوئی شریک و مثل ہو۔[1]

گناہوں پر معافی ان کا رویہ:

بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم جھکتے ہوئے اور یہ دعا کرتے ہوئے کہ اے اللہ! ہماری خطاؤں کو بخش دے شہر میں داخل ہونا۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَـٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ﴾ [2]

ترجمہ: اور ہم نے تم سے کہا کہ اس بستی میں جاؤ اور جو کچھ جہاں کہیں سے چاہو یا خوب کھاؤ پیو اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے گزرو۔ اور زبان سے حطۃ کہو، ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو نہ مانا اور بدل ڈالا۔

جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:﴿فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ [3]

ترجمہ: پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالی ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کے فسق و نافرمانی کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل کیا۔

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو پس پشت ڈال کر اس کے برعکس کام کیا۔ بستی میں داخل ہوتے وقت سجدہ ریز ہونے کے بجائے اکڑتے ہوئے اور سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوتے اور توبہ و استغفار کے بجائے دنیوی مال و دولت کے پیچھے پڑ گئے۔[4]

اور حدیث میں ہے "بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ شہر کے دروازے میں جھک کر داخل ہونا اور زبان سے (حطۃ) یعنی گناہوں کی بخشش مانگنا لیکن وہ اپنی سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے (حطۃ) کے بجائے "حبۃ فی شعرہ" یعنی دانہ بالی کے اندر، کہنے لگے۔"[5]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ص:۶:۶۷۹۲

[2] سورۃ البقرۃ:۲: ۵۸

[3] ایضا۲:۵۹

[4] تیسیر القرآن، ص:۱: ۷۶

[5] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب اذقلنا ادخلوا۔۔ح۴۴۷۹ص ۷۶۱

من وسلویٰ اور انکار رویہ:

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعاموں میں سے ایک انعام یہ بھی ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آسمانوں سے ان کے لیے کھانے کا بندوبست کیا۔ "من" جو دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ان پر نازل ہوتا اور سلویٰ یعنی ایک قسم کا پرندہ تھا۔ بنی اسرائیل اپنی ضرورت کے مطابق اس کو پکڑتے اور ذبح کر کے کھاتے تھے اور اس طرف ارشاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وما ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: اور ہم نے تم بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر من اور سلویٰ اتارا کہ ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

لیکن اس بغض، تکبر، اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی اور ان کی اسی ناشکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اهْبِطُوا مِصْرًا فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴾([2])

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم سے ایک ہی قسم کے کھانے پر ہرگز صبر نہ ہو سکے گا، اس لیے اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ہمیں زمین کی پیداوار ساگ، ککڑی، گیہوں مسور اور پیاز دے، فرمایا کیا تم بہتر چیز کے بدلے ادنیٰ چیز طلب کرتے ہو؟ شہر میں جاؤ وہاں تمہیں تمہاری چاہت کی چیزیں ملیں گی۔ ان پر ذلت اور مسکینت ڈال دی گئی اور اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔

غرض جس طرح یہود کے اسباب عروج جو ان کی دینوی اور اخروی ترقی میں بڑی اہمیت کے حامل تھے تو اس طرح مذکورہ جرائم ان کے دینوی اور اخروی زوال کے واضح اسباب ہیں، اور ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کے بجائے ناشکری کی اور پھر یہ ناشکری ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کا سبب بنی جس کی وجہ سے آخر کار ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنی۔

([1]) سورۃ البقرۃ:۲: ۵۷

([2]) ایضا:۲: ۵۵

فصل دوم: امت مسلمہ کے زوال کے اسباب

اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایک وقت تھا کہ جب مسلمانوں کی عظمت کا جھنڈا پورے عالم پر لہر رہاتھا، قیصر و کسریٰ مسلمانوں سے لرزہ براندام تھے، تمام مسلمان پوری شان وشوکت اور عظمت ووقار سے اپنی زندگی گزار رہے تھے۔اس وقت یہ حالت تھی کہ مسلمان تعداد اوراسلحہ کی قلت کے باوجود کفارومشرکین کی کثیر تعداد پر غالب آجایا کرتے تھے لیکن اب دنیا پر مسلمان تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود پوری دنیامیں ذلیل ورسواہورہے ہیں مقبوضہ کشمیر ہویا فلسطین، افغانستان ہویاعراق، سعودی عرب ہویاپاکستان، غرضیکہ ہر جگہ مسلمان مظلوم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

مسلمان کثیر تعداد اوراسلحہ کی فراوانی اور قدرتی وسائل کے باوجود پوری دنیامیں ذلیل وخوار کیوں ہیں؟

امت مسلمہ نے اجتماعی طور پر اپنے حالات کی نبض پر ہاتھ نہ رکھا اوراقوام عالم میں اپنا بلند مقام حاصل کرنے کیلئے وقت کی آواز پر کان نہ دھرے جس کی وجہ سے ذلت ورسوائی ان کا مقدر بن گئی۔امت مسلمہ کے مجموعیانحطاط کے اسباب کو جاننے کی کوشش کی جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ فہم دین کا فقدان ہے ،عقیدہ و نظریات میں خرابی،اتحاد و اتفاق کا فقدان ،عدل و انصاف کی عدم موجودگی ہے۔ یہود ونصاریٰ کی سازشیں اور سیاسی اور سماجی نظام کے عدم وجود کی وجہ سے امت مسلمہ اپنے اصل مقام کو کھوبیٹھی ہے۔مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑاسبب دین اسلام کو نہ سمجھناہے۔ آج مسلمانوں کی اکثریت دین کا صحیح فہم نہیں رکھتی۔دنیوی علم کے حصول کیلئے لوگ دیار غیر میں بھی جاناپسند کرتے ہیں لیکن دینی علم کے حصول کیلئے اپنے ملک میں رہتے ہوئے دینی مدارس اوراسلامی یونیورسٹیز میں جاناپسند نہیں کرتے۔جس کا نتیجہ ہمیں یہ ملتاہے کہ ہم اتحاد کی کمی، فرقہ واریت، معاشرتی برائیاں، جذبہ ءجہاد کی کمی اورامر بالمعروف ونہی عن المنکر کے فقدان جیسے مسائل کا شکار ہوگئے ہیں۔دین اسلام کا صحیح فہم نہ ہونے کی وجہ سے آج ملت اسلامیہ میں اتحاد کی کمی ہے

اعتقادی پسماندگی:

یہ بات عیاں ہے کہ یہود کے زوال کی بنیادی وجہ عقیدہ کی خرابی اور کمزوری تھی تو عین اسی طرح امت مسلمہ کے زوال کی بنیادی وجہ بھی یہی بنی۔کیونکہ قرآن مجید میں حاکمیت کی حامل قوم کی ایک بڑی صفت ایمان،اعمال صالحہ اور شرک سے بیزاری بیان فرمائی گئی ہے۔ارشادباری تعالی ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ

كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کیے ہیں اللہ تعالی وعدہ فرما چکا ہے انہیں ضرور زمین خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے اور یقیناً ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کرکے جمادے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا وہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائیں گے اس کے بعد بھی جو لوگ کفر کریں وہ یقیناً فاسق ہیں۔

مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی روش کو بدلنا اور بے ایمانی، بدعملی، اوہام پرستی اور خلافت فی الارض کے تقاضے پورے نہ کرنا زوال کے بڑے اسباب ہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت نے اللہ تعالیٰ کو عملاً نظر انداز کر دیا ہے۔ کیونکہ آفت اور مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسروں سے مدد مانگتے ہیں۔ پریشانی دور ہونے کے بعد خوشی کے وقت شکر گزاری بذریعہ نذرونیاز غیر اللہ کی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں تو وہ بھی گانا گانے کے انداز میں۔ توبہ واستغفار کی بجائے قبروں اور مزاروں پر فریاد کرتے ہوئے روتے دھوتے ہیں۔ چنانچہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے وقار کا لحاظ نہیں کرے گا تو اسے اپنے حصے کی ذلت تو برداشت کرنی پڑے گی۔([2])

شرک:

شرک توحید کی ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں سب سے بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ لقمان حکیم کا قول اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نقل کیا:

﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾([3]) ترجمہ: بیشک شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟"قَالُوا: بَلَى يَارَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: " الْإِشْرَاكُ بِاللَّهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ)([4])

ترجمہ: کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے کبیرہ گناہ کے بارے میں نہ بتادوں؟ صحابہ نے کہا: اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔

شرک کے تصور کے زیرِ اثر انسان جو طرز عمل اختیار کرتا ہے، اس سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی

([1]) سورۃ النور: ۲۴: ۵۵

([2]) محدث فورم، مضمون بعنوان "قرآن کریم سے دوری کے نتائج اور اس کا حل"، جون، ۲۰۱۱ء

([3]) سورۃ لقمان: ۳۱/ ۱۳

([4]) سنن ترمذی، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء في عقوق الوالدین، حدیث نمبر: ۱۹۰۱، ص ۵۸۴

متاثر ہوتی ہے۔ انسان کی پوری زندگی اوہام کی آماجگاہ بن جاتی ہے وہ اچھے اثرات کے بجائے برے اثرات کے خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی بہت سی قوتیں لاحاصل طریقے سے ختم کر دیتا ہے۔

غرض شرک انسان کے عزم کو کمزور کر دیتا ہے اور فطری طریقہ سے ہٹا کو غیر فطری طریقہ پر ڈالتا ہے اور انسان کی زندگی میں پوجا پاٹ، نذرونیاز اور دوسری غیر شرعی رسومات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جس میں الجھ کر انسان کی تمام کوششیں اور عمل بے نتیجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے چالاک لوگ تمام لوگوں کو توہم پرستی کے جال میں پھنسا لیتے ہیں اور شرکیہ عقیدے کی بدولت عام انسان بے علم روحانی پیشواؤں اور مذہبی عہدیداروں کو اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں، اور یوں مرعوبیت کی زندگی ان کا مقدر ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴾(1)

ترجمہ: عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اور اس وجہ سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی کے نزدیک بھی مسلمانوں کے عروج کا تسلسل جو ہے وہ خلافت راشدہ تک ہے اور پھر اس کے بعد اموی دور کے انحطاط کا سبب باقی جرائم کی طرح شرک و بدعات ہیں۔ اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک وجہالت قدیم جاہلی قوموں کے عقائد وخیالات اور دینی گمراہی نے بھی نفوذ کرنا شروع کر دیا اور مسلمانوں کی زندگی میں اور ان کے مزاج میں ایسی بدعات داخل ہوئیں جنھوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا۔(2)

قرآن مجید سے دوری:

امت کے زوال کے آغاز کا ایک بڑا سبب قرآن مجید سے دوری بھی ہے۔ امت کے عام افراد نے قرآن مجید کو حصول برکت اور ثواب کی کتاب سمجھ کر اس کے نزول کا اصل مقصد فراموش کر دیا۔ حصول ہدایت سے حصول برکت پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ یہ بات عیاں ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت باعث برکت وثواب ہے جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

(الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِى يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَعَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ) (3)

---

(1) سورۃ آل عمران:۳:۱۵۱

(2) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات، ص:۱۶۷

(3) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فَضْلِ الْمَاهِرِ بِالْقُرْآنِ وَالَّذِى يَتَتَعْتَعُ فِيهِ ح ۱۸۶۲، ص:۳۲۳

ترجمہ: جو شخص قرآن کا ماہر ہو وہ معزز اور فرمانبردار فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو شخص قرآن مجید کو مشقت سے پڑھتا ہے اس کے لیے دو اجر ہیں۔ (یعنی ایک اجر تلاوت کا اور دوسرا اس کو بار بار دہرانے کا)

تاہم قرآن کریم کے نزول کا مقصد صرف برکت کا حصول نہیں ہے بلکہ یہ کتاب غور و فکر کے لیے ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾([1])

ترجمہ: یہ کتاب بابرکت ہے جس کو ہم نے س لیے نازل کیا ہے کہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔

اور اس میں غور و فکر نہ کرنے والوں کو متنبہ کیا ارشاد باری تعالی ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ ([2])

ترجمہ: کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟

حدیث رسول ﷺ میں بھی اس چیز کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگر قرآن مجید پر عمل کو ترک کیا گیا تو اللہ تعالی ان کو ذلیل کرے گا جو ان کے زوال کا سبب بنے گا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ﴾([3])

ترجمہ: بیشک اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بلندیاں نصیب کرتا ہے اور بعض لوگوں کو نیچے گرا دیتا ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآن کریم پر صحیح معنوں میں عامل رہے دنیا پر ایک طاقت ور قوم بن کر رہے لیکن جب سے مسلمانوں نے قرآن کریم سے اپنے تعلق کو کمزور کیا اس پر غور و فکر کرنا چھوڑا تو مسلمان دنیا میں کمزور ہو گئے۔ یہ وہ عظیم کتاب ہے جس پر مسلمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں نے بھی غور و تدبر سے اپنی ترقی کی راہیں ہموار کی ہیں۔ قرآن مجید کا ایک بہت بڑا حصہ ہے جس پر آج غیر مسلموں نے عمل کر کے دنیا کو قابل آسائش بنایا۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾([4])

([1]) سورۃ ص:۳۸/ ۲۹

([2]) سورۃ محمد:۴۷/ ۲۴

([3]) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب باب فَضْلِ مَنْ يَقُومُ بِالْقُرْآنِ وَيُعَلِّمُهُ وَفَضْلِ مَنْ تَعَلَّمَ حِكْمَةً مِنْ فِقْهٍ أَوْ غَيْرِهِ فَعَمِلَ بِهَا وَعَلَّمَهَا، حدیث نمبر:۱۸۹۸ ص،۳۲۹

([4]) سورۃ الحدید:۵۷:۲۵

ترجمہ: ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت ہیبت و قوت ہے اور لوگوں کے لیے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

ہم اگر غور کریں تو پوری دنیا میں اس وقت اسلحہ ساز کمپنیاں غیر مسلموں کے پاس ہیں یہ بات قابل افسوس کہ مسلمانوں نے اس کتاب کو جس مقصد کے لیے نازل کیا گیا تھا بھلا دیا اور یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان پوری دنیا میں زوال کا شکار ہیں۔

قرآن حکیم کی تعلیمات سے دوری سے متعلق چوہدری رحمت علی رقمطراز ہیں:

"کم از کم اسی فیصد لوگوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات کا ادراک ہی نہیں ہے کہ قرآن وحدیث میں لکھا ہوا کیا ہے اور مجموعہ حدیث کو سرے سے علماء کی جھولی میں رکھ دیا گیا ہے۔ یہ بات عام مسلمانوں میں پائی جاتی ہے تو نتیجے میں ذلت ورسوائی آنی ہی تھی۔" ([1])

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے سے انحراف:

مسلمانوں کے حکومتی واجتماعی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے لیکن اس میں ریاستی سطح پر مسلمان تساہل کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کے خطرات سے اللہ کے نبی ﷺ نے یوں متنبہ فرمایا ہے:

(وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ لَتَأمُرُنَّ بِالمعرُوفِ وَلَتنهوُنَّ عَنِ المنكَرِ أَو لَيُوشِكُنَّ اللهُ أَن يَّبعَثَ عَلَيكُم عِقَابًا مِّنهُ ثُمَّ تَدعُونَهُ فَلَا يُستَجَابُ لَكُم)([2])

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسے عذاب میں مبتلا کر دے گا کہ اس سے نجات پانے کے لیے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو گے مگر وہ تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔

اللہ تعالی نے فلاح پانے والی جماعت کی ایک خاص صفت امر و نہی کے فریضے کو قرار دیا جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِوَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾([3])

ترجمہ: اور تم میں ایسا گروہ ہونا چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھی بات کا حکم کرے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

فرمان نبوی ﷺ کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امت مسلمہ کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ انفرادی واجتماعی زندگی میں نیکیوں کو غالب کرے اور برائیوں کو روکے اور اگر وہ اپنے اس مقصدِ حیات سے انحراف کرے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو ایسی سزا دے گا جیسے دعاؤں سے بھی نہیں ٹالا جا سکتا یعنی امت مسلمہ، غیر مسلم اقوام کی محکوم بن جائے گی یا مسلم قوم کے ظالم ان پر حکومت کریں گے۔

([1]) اسباب زوال امت، چوہدری رحمت علی، دارالرحمت، لاہور بدون سنہ، ص:۵۶

([2]) سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی الامر بالمعروف و نہی عن المنکر، حدیث نمبر:۲۱۶۹:۳:۴۲

([3]) سورۃ آل عمران:۳:۱۰۴

اور اس امت محمدیہ ﷺ کی فضیلت اور خیر امت کا تعلق بھی امر بالمعرف اور نھی عن المنکر کے فریضے سے منسلک رہنے کیوجہ سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر تھا ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں۔

آج امتِ مسلمہ کی موجودہ حالت کی ایک وجہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے فریضہ سے منہ موڑنا ہے۔

حرصِ دنیا اور موت سے نفرت:

دنیا کا حریص انسان اپنے دین کا سب سے زیادہ نقصان کرتا ہے۔اس بات کی شہادت درج ذیل فرمانِ رسول ﷺ سے ملتی ہے:

(مَا ذِئِبيَانِ جَائِعَانِ أُرسِلَا فِی غَنَم بَافسَدَلهَا مِن حَرصِ المرءِ عَلَى المالِ وَالشَّرفِ لِدِينِه)[2]

ترجمہ: اگر دو بھوکے بھیڑیے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیئے جائیں (وہ بکریوں کا اتنا نقصان نہیں کرتے) جتنا مال جمع کرنے والا اور جاہ و مرتبہ حاصل کرنے کی حرص میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے دین کا نقصان کرتا ہے۔

کیونکہ جس کی زندگی کا مقصد زیادہ مال و دولت جمع کرنا اور دنیا میں عزت و برتری حاصل کرنا ہو وہ دولت کے حصول کے لیے حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتا، وہ کمزور لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور بہت سے انسانوں کے حقوق پامال کرتا ہے اور جب سے یہ قبیح جرم اس امت میں آیا تو آئے دن امت بھی تباہی کی طرف گئی ہے۔اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمان کہ جس میں فرمایا:

(يُوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَافَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيرٌ وَلَكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللَّهُ مِنْ صُدُورِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ اللَّهُ فِى قُلُوبِكُمُ الْوَهَنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْوَهَنُ قَالَ « حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)[3]

ترجمہ: قریب ہے کہ دیگر قومیں تم پر ایسے ٹوٹ پڑیں جیسے کھانے والے دستر خوان پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کہنے والے نے کہا، کیا ہم اس وقت تعداد میں کم ہوں گے ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے لیکن تم اس وقت سیلاب کی جھاگ کی مانند ہو

([1]) سورۃ آل عمران:۳:۱۱۰

([2]) سنن ترمذی، کتاب الزھد۔باب حدیث ماذئبیانِ جائعانِ، ح۲۳۷۶، ص ۱۳ ۷

([3]) سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ح، ۴۲۹۷، ص ۷۶۹۔امام البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔سلسلۃ الصحیحۃ، ص:۶۸۴ / ۲

گے، اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کے سینوں سے تمہارا خوف نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں وہن ڈال دے گا" تو کہنے والے نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہن کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔

اس حدیث مبارکہ سے بھی مسلمانوں کی موجودہ حالت واضح ہوتی ہے۔ مال و دولت کی کثرت اور اس کے حصول کے لیے ہر جرم کر ڈالنا عام رواج بن چکا ہے گویا مسلمانوں کے زوال کے اسباب فقر و غربت نہیں بلکہ بے جا اور ناجائز مال واسباب کو جمع کرنے کی مرض و لالچ جو آخر کار ان کی تباہی اور زوال بنے گا۔ ور اس بات کی تائید آپ ﷺ کے اس اور فرمان سے ہوتی ہے؛ آپ ﷺ نے فرمایا:

(فَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ)([1])

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے فقر کا خوف نہیں لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تمہارے لیے دنیا کھل جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں کے لیے کھلی اور تم دنیا میں رغبت کرو گے جیسے انہوں نے کی، وہ تمہیں ہلاک کر دے گی جیسے انہیں ہلاک کیا۔

اس حدیث پاک میں بھی نبی کریم ﷺ نے پہلی امتوں کے زوال کا ایک بڑا سبب دنیا پرستی بتلایا ہے۔ مال و دولت اور دنیا کی محبت زوال کی بدترین صورت ہے جو انسانوں کو ہر جائز اور ناجائز عمل پر آمادہ کرتی ہے۔

باہمی قتال وجدال:

دین اسلام میں مسلمانوں کو اخوت اور بھائی چارے کا درس دیا گیا ہے اور ان کو اس مین بھائی بھائی قرار دیا گیا ہے([2]) جبکہ باہمی قتال وجدال اتحاد و اتفاق کی ضد ہے جو امت کے زوال و انحطاط کا یہ سب سے بڑا سبب ہے کیوں کے یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت ہے۔

جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے:

(من حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا)([3])

ترجمہ: جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان باہمی جنگ وجدال کے فتنے سے محفوظ رہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے خلاف صف آراء نہ ہوں۔ کوئی فرد یا گروہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے ہتھیار اٹھانے، غارت گری، ڈاکہ زنی کی غرض سے حملہ آور ہو یا سیاسی یا گروہی اختلاف کی وجہ سے اس کا مرتکب آنحضرت ﷺ کے

([1]) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من یحذر من زھرۃ الدنیا التنافس فیھا، ح ۶۴۲۵ ص: ۱۱۱۵

([2]) الحجرات ۴۹: ۱۰

([3]) صحیح بخاری کتاب الفتن، باب قول النبی من حمل علینا السلاح فلیس منا، ح ۷۰۷۰، ص: ۱۲۱۹

فرمان کے مطابق ملت اسلامیہ سے کٹ جاتا ہے۔([1])

قتال وجدال، آپس کی دشمنی انکے جسد واحد میں دراڑ ڈالتی ہے جس کے خطرات سے آپ ﷺ نے ہمیں خبر دار کیا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾([2])

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو کہ پھر بزدلی کروگے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باہمی تنازع، ضعف، کمزوری اور بے وقاری کا سبب ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی تنازع سے محفوظ رہنے کی تدبیر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری اور دین کی اتباع ہے جبکہ باہمی اختلاف اور قتال جدال کی صورت میں ذلت اور رسوائی ہو جاتی ہے، ہوا اکھڑ جاتی ہے، اور اقبال وترقی رک جاتی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان احکامات پر ایسے پورے اترے کہ ان کی مثال اگلوں میں بھی نہیں، پیچھے والوں کا ذکر ہی کیا ہے۔یہی شجاعت یہی اطاعت رسول اللہ ﷺ، یہی باہمی، یہی استقلال تھا جس کے باعث اللہ تعالی کی نصرت اُن کے ساتھ رہی اور تیس سال میں باوجود تعداد اور اسباب کی کمی کے مشرق ومغرب کو فتح کرلیا، اور دنیا کا نقشہ بدل دیا، اور وہ نہ صرف لوگوں کے ملکوں کے ہی مالک بنے بلکہ ان کے دلوں کو بھی فتح کرکے خدا کی طرف لگا دیا۔([3])

ان خطرات کا ادراک کرتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

(لَا تَرجِعُوا بَعدِ ی کُفَّارًا یَّضرِبُ بَعضُکُم رِقَابَ بَعضٍ) ([4])

ترجمہ: میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ۔

اس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو امت کے تنزل کی اس قبیح صورتحال سے تشویش تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد کافروں کی مثل نہ ہو جانا کہ جس طرح وہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں تم بھی ایسے ہی کرنے لگو۔

اتحاد واتفاق کا فقدان اور فرقہ واریت کا رواج :

مسلمانوں سے دنیا اسلام سے غلبہ چھیننے کے لیے غیر مسلموں نے جو آلہ استعمال کیا وہ مسلمانوں کو تقسیم کرنا اور

([1]) ترجمان الحدیث، محمود حسن سید، ص ا: ۳۵۵

([2]) سورۃ الانفال ۸: ۴٦

([3]) تفسیر ابن کثیر، ۲: ۵۰۷

([4]) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان معنی قول النبی۔۔۔، ح ۲۲۳، ص ۴۸

فرقوں میں بانٹنا تاکہ انکا اتحاد ختم ہو جائے۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے جب تک مسلمان آپس میں متحد تھے، فرقہ واریت کی مرض سے پاک تھے تو وہ دنیا پر غالب رہے اور آج اسی وجہ سے عالمی سطح پر مسلمانوں کی کوئی طاقتور اور نمائندہ آواز نہیں ہے جس کا نتیجہ ہے کہ دنیا میں نہتے مسلمان گاجر اور مولی کی طرح کٹ رہے ہیں۔

اور اسی افتراق سے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا:

(افْتَرَقَتْ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَافْتَرَقَتْ النَّصَارَى عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ قِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ هُمْ قَالَ الْجَمَاعَةُ) ([1])

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہود کے اکہتر فرقے ہوئے ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور باقی ستر فرقے جہنم میں جائیں گے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہو گئے تھے اور اکہتر دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، میری اُمت تہتر فرقوں میں ہو جائے گی اور ان میں سے ایک فرقہ جنت میں جائے گا باقی بہتر دوزخ میں جائیں گے، کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ !وہ ایک فرقہ کون لوگ ہیں ؟آپ ﷺ نے فرمایا: جماعت (یعنی اہل وسنت وجماعت)

اللہ تعالی نے مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے سختی سے منع فرمایا: فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾([2]) ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو"

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ([3])

ترجمہ: اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے رہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو، ورنہ بزدل ہو جاو گئے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرتے رہو یقیناً اللہ صبر کرنے والو کے ساتھ ہے۔"

اور اللہ تعالی نے اس بارے میں ہماری خصوصی رہنمائی فرمائی اور فرمایا:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾([4])

ترجمہ: اور اُن جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ گئے اور اُن میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن نشانیاں انہیں آچکی تھیں اور اُنکے لئے بڑا عذاب ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

([1]) سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، دار السلام ریاض، بدون طبع، ۱۴۳۰، ح ۳۹۹۲، ۷۲۴

([2]) سورۃ آل عمران ۳:۱۰۳

([3]) سورۃ الانفال: ۸:۴۶

([4]) سورۃ آل عمران: ۳:۱۰۵

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾([1])

ترجمہ: وہ جنہوں نے اپنے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہوگئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے پھر وہ انہیں بتادے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

غرض اس وقت اُمت مسلمہ کے مسائل ومشکلات کی یہ بہت بڑی وجہ ہے اس امت میں اتحاد واتفاق کا فقدان ہے ہمارے ہاں مذہبی بنیادوں پر مسلکی بنیادوں پر ،علاقائی بنیادوں پر اور لسانی بنیادوں پر تفرقوں کا پایا جانا اُمت کے انحطاط کا سبب ہے دشمن نے "لڑاو اور حکومت کرو" ہمیں آپس میں لگایا ہوا ہے۔

ترک جہاد:

مسلمانوں کی موجودہ تباہی وبربادی کے اسباب پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ امت مسلمہ خود اس ذلت اور پستی کی ذمہ دار ہے اور جن وجوہات کی بناء پر مسلمان تنزلی کا شکار ہیں ان میں ایک جہاد فی سبیل اللہ سے انحراف ہے جب مسلمان جہاد سے منسلک رہے ،دنیا پر غالب رہے اور جب مسلمانوں نے اس میں تساہل پسندی کی تو ذلت ،تباہی وبربادی اور زوال انکا مقدر ٹھہرا کیوں کے جہاد ہر قسم کے فساد، ظلم وتعدی کا علاج ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

(لَئِن تَرَكتُمُ الجِهَادَ وَاَخَذتُم بِاِذنَابِ البَقَر وَتَبَايَعتُم بِالعِينَةِ لَيُلزِ مَنَّكُمُ اللهُ مَذلَّةً فِی رِقَابِكُم لَا تَنفَكُّ عَنكُم حَتّٰی تَتُوبُوا اِلَی اللهِ وَتَرجِعُوا عَلىٰ مَا كُنتُم عَلَيهِ)([2])

ترجمہ: اگر تم نے جہاد کو چھوڑ دیا اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لیا اور "عینہ"([3]) کا کاروبار کرنے لگے تو اللہ تعالی تمہاری گردنوں میں ذلت کا طوق ڈال دے گا اور یہ ذلت تم سے چمٹی رہے گی الا یہ کہ تم اللہ تعالی کی طرف رجوع کرو اور اس راہ پر لوٹ آؤ جس پر تم پہلے تھے۔

قرآن کریم میں جہاد کے ترک پر وعید:

جہاد فی سبیل اللہ میں مسلمانوں کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے اس کے ترک کرنے پر جو وعید اللہ تعالی نے بیان فرمائی ملاحظہ کیجئے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

([1]) سورۃ الانعام:۶:۱۵۹

([2]) سنن ابی داؤد، کتاب الاجارۃ، باب فی النھی عن العینۃ، ح۳۴۶۲، ص۶۲۳ / سلسلۃ الصحیحۃ حدیث نمبر: 11، رقم ۵۰۰۷ص۹:۵۱

([3]) عینہ سے مراد بیچی ہوئی چیز کو دوبارہ کم قیمت پر خریدنا۔

تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ([1])

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے کہ خدا کی راہ میں کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی پس نہیں ہے دنیا کی زندگی اخرت کے مقابلے مگر تھوڑی۔ اگر نہ کوچ کروگے تو تمہیں سخت سزا دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

امام سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"کیا تم ایمان کے تقاضوں اور یقین کے داعیوں کو نہیں جانتے؟ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالی کے حکم کی تعمیل میں سبقت کی جائے اور اسکی رضا کے حصول اور اللہ تعالی کے دشمنوں اور تمہارے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کی طرف جلدی سے بڑھا جائے "([2])

حقیقت یہ ہے کہ ترک جہاد میں ہلاکت وزلت ہے۔

جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾([3])

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور بھلائی والے ہو جاؤ بیشک بھلائی کرنے والوں کو اللہ پسند کرتے ہیں۔

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ اسلم ابو عمران فرماتے ہیں:

"ہم روم میں تھے اور رومی ہمارے مقابلہ میں ایک بہت بڑے لشکر کی صف نکال کر لائے، اور مسلمانوں میں سے ایک شخص نے رومیوں کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ان میں داخل ہو گیا، تو لوگ چیخ کر کہنے لگے۔ سبحان اللہ! یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت ڈال رہا ہے! حالانکہ قرآن مجید میں تو آیا ہے "اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو" چنانچہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اُٹھے اور فرمایا: لوگو تم اس آیت کی یہ تفسیر اور تاویل کر رہے ہو بلکہ یہ آیت تو ہمارے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی ہے، جب اللہ تعالی نے اسلام کو عزت سے نوازا اور اسلام کے مددگار بہت زیادہ ہوگئے، تو ہم میں سے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رازدارانہ طریقے سے کہا اور رسول کریم ﷺ کو اس کا علم نہ ہونے دیا کہ ہمارے مال ضائع ہو گئے ہیں، اور اللہ تعالی نے اسلام کو عزت سے نواز دیا، اور اس کے مددگار بھی زیادہ ہو گئے ہیں، تو اگر اب ہم جا کر اپنے اموال میں رک جائیں اور جو ضائع ہوا ہے اسکی اصلاح کرلیں تو اللہ تعالی نے ہمارے قول کا جواب دیتے ہوئے اپنی نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: چنانچہ ہمارا اپنے اموال پر ٹھہرنا اور انکی اصلاح کرنا (یعنی گھروں میں بیٹھے رہنا) اور جہاد اور جنگ کو ترک کرنا ہلاکت تھا، اس کے بعد ابو ایوب انصاری جہاد میں مشغول رہے یہاں تک کہ وہ قسطنطنیہ میں دفن ہوئے"([4])

([1]) سورۃ التوبہ ۹:۳۸-۳۹

([2]) تفسیر سعدی، عبد الرحمن بن ناصر بن عبد اللہ السعدی، مؤسسۃ الرسالۃ۔ طبع اولی، 1420ھ ۱:۳۳۷

([3]) سورۃ البقرہ ۲:۱۹۵

([4]) سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ البقرہ، ح:۲۹۷۲ ص ۸۷۷

درج بالا حدیث کی شرح میں مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والحديث يدل على أن المراد بإلقاء الأيدي إلى التهلكة هو الاقامة في الأهل والمال وترك الجهاد وقيل هو البخل وترك الانفاق في الجهاد"([1])

ترجمہ: یہ حدیث شریف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں پڑنے سے مراد اہل ومال میں رکنا اور جہاد ترک کرنا ہے۔

اللہ تعالی نے مسلمانوں سے جانی ومالی قربانی کا مطالبہ کیا، لیکن افسوس کہ آج مسلمانوں کو دنیا کی محبت ولالچ نے جہاد سے دور کر دیا، آج یہی جہاد دنیا کی دوسری اقوام نے اپنایا تو وہ دنیا پر غالب ہوگئے ہیں۔

یورپین اقوام نے جنگ عظیم میں اپنے حقوق کیلئے جو جو قربانیاں دی ہیں، وہ انسان کی عقل سے بالاتر ہیں جرمنوں نے جنگ عظیم میں بیس لاکھ نوجوانوں کو قتل کروایا اور فرانسیسیوں نے چوبیس لاکھ کو، انگریزوں نے چھ لاکھ کو اور اطالویوں نے ساڑھے چار لاکھ ([2])

دوسرے نمبر پر اللہ تعالی نے مسلمانوں سے مالی قربانی مانگی، لیکن آج امت دنیا کی محبت کی وجہ سے یہ قربانی بھی نہ دی سکی، جبکہ غیر مسلم نے اسکو اپنا شعار بنایا۔

جنگ عظیم میں ہی انگریزوں نے تین ارب پونڈ، فرانسیسیوں نے دو ارب پونڈ، جرمنوں نے تین ارب پونڈ اور اطالویوں نے پچاس کروڑ پونڈ اور روسیوں نے اپنی دولت کو اس کثرت سے خرچ کیا کہ ان کے ملک پر ہر طرف سے قحط کی مصیبت ٹوٹ پڑی۔([3])

لیکن مسلمانوں میں اتنا بھی کوئی نہیں جس نے اپنی حیثیت سے دسواں حصہ بھی راہ الہی میں قربان کیا ہو، آج امت بغیر مال وجان کی قربانی دیے اللہ تعالی کی مدد کا مطالبہ کرتی ہے۔

اور اسی طرح فلسطین کو دیکھ لیں، یہودیوں اور عربوں کے درمیان جنگ ہوئی، اس پر دنیا بھر کے یہودیوں نے فلسطین کے یہودیوں کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کیا اور دس لاکھ پونڈ جمع کر کے بھیجے، اور مسلمانوں نے بھی فلسطین کے مسلمانوں کے لیے چندہ جمع کیا لیکن بڑی کوشش کے باوجود تیرہ ہزار پونڈ جمع ہوئے۔([4])

الغرض اس وقت دنیا میں مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم ڈھائے جارہے ہیں چاہے میانمار (برما) ہو یا فلسطین یا کشمیر اس

([1]) تحفة الاحوذی شرح جامع الترمذی، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفوري أبو العلا، دار الكتب العلمية، بيروت، 2010ء باب الصلاة، ۸:۲۴۹

([2]) اسباب زوال امت، علامہ شکیب ارسلان، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، 2012ء ص:۱۳

([3]) ایضا، ص:۱۷

([4]) اسباب زوال امت، ص:۱۷

کی وجہ مسلمان میں جہاد کا جوش مفقود ہونا اور دنیا کی محبت اور موت سے کراہت کا پایا جانا ہے۔

پیغمبر کی مخالفت:

یہ بات عیاں ہے کہ جتنی برائیاں ہم نے ذکر کی ہیں وہ سب ہی نبی مکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی مخالفت میں آتی ہیں، لیکن اس کے باوجود دیگر بہت سے اعمال ہیں جو معصیت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں آتے ہیں۔ تاریخ میں جب تک مسلمان عقیدہ توحید اور اطاعت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ مضبوطی سے منسلک رہے تو دنیا و آخرت کی کامیابی نے انکے قدم چومے اس کائنات میں اللہ تعالی نے اطاعت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی وجہ سے ان کو بلندیاں عطا فرمائیں لیکن جوں جوں مسلمانوں نے مخالفت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی روش اختیار کی تو ذلت ورسوائی انکا مقدر بنی۔

کیونکہ کامیابی کا راز کتاب اللہ اور سنت رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اتباع میں مضمر ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے:

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

ترجمہ: وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا وہی کامیاب ہوئے۔

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(قَالَ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمُ الخليفتين بَعْدِي كِتَابَ اللَّهِ وَعِتْرَتِي)[2]

ترجمہ: میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان پر کاربند رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

تو جب اللہ تعالی نے اپنے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو مبعوث ہی اس لیے کیا کہ امت اپنے تمام معاملات وعبادات میں آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی اتباع کرلے تو جب امت بجائے اتباع کے نافرمانی والا راستہ اختیار کرے گی تو لازم اسے مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی نافرمانی اللہ تعالی کی ناراضگی کا سبب ہے جو نہ صرف آخرت کی تباہی بلکہ دنیا میں رسوئی کا ذریعہ بھی ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾[3]

---

(1) سورۃ الاعراف:۷/۱۵۷

(2) السنة، عمرو بن أبي عاصم الضحاک الشيباني، المكتب الإسلامي، بيروت، طبعة، اولیٰ ۱۴۰۰ء، باب في فضائل أهل البيت، حديث نمبر: ۱۵۴۸ ص:۲:۶۴۳

(3) سورۃ النساء۴: ۱۱۵

ترجمہ: اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ حق کا راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

علمی پسماندگی:

ہمارے سلف صالحین نے علمی میدان میں عظیم کارنامے انجام دیئے، مختلف میدانوں میں بہت ہی بنیادی اور اہم کارنامے انجام دیئے، امت اسلامیہ کی آئندہ نسلوں کو ان کارناموں کو آگے بڑھانا تھا، لیکن افسوس کہ آج ان کی جگہ مغربی دنیا نے اس کام کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔ آج ہم تعلیمی میدان میں بہت پیچھے مانے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس مختلف علوم وفنون میں مہارت رکھنے والوں کی تعداد بالکل نہ ہونے کے برابر ہے، ہم نے مختلف علوم وفنون کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ یہ دنیاوی علوم ہیں، جن کا سیکھنا ہم مسلمانوں کا کام نہیں ہے، اس چیز نے بھی امت کے زوال اور پسماندگی میں کافی اضافہ کیا ہے۔

قرآن مجید اس پر گواہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ﴾([1])

ترجمہ: کیا وہ لوگ جو جانتے اور جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔

اخلاقی پستی:

جس طرح عروج کی بنیاد اعلی اخلاق پر رکھی اسی طرح زوال کی بنیاد بد اخلاقی پر ہوتی ہے۔ اخلاقی پسماندگی بھی اُمت مسلمہ کے انحطاط کا ایک سبب ہے۔

اور یہ جھوٹ، بد دیانتی، غبن، خیانت، چوری، غصب، ملاوٹ، سود خوری، ناپ وتول میں کمی، بہتان طرازی وعدہ کی خلاف ورزی اور اس نوعیت کے دوسرے جرائم آج اس امت میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں یہی یہی جرائم تھے جسکی بنیاد پر خدا کے نبیوں نے بنی اسرائیل پر لعنت کی تھی، اووہ ہمیشہ کیلئے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گے۔

آج اُمت مسلمہ میں پائے جانے والے یہ تمام اخلاقی جرائم جن سے اللہ اور اسکے رسول ﷺ نے انکو سختی سے منع کیا تھا جس کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ ان اخلاقی جرائم میں سے بعض کا ذکر میں اختصار سے بیان کروں گا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ وہی اخلاقی جرائم ہیں جو یہود میں بھی پائے جاتے تھے جس کی وجہ سے وہ زوال کا شکار ہوئے

([1]) سورۃ الزمر: ۹:۳۹

جھوٹ:

جھوٹ کی مذمت پر قرآن وحدیث میں بہت زیادہ فرامین پائے جاتے ہیں۔ جھوٹ ایک ایسا جرم ہے جس پر اللہ تعالی نے لعنت فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:﴿لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾([1])

ترجمہ: جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت ہے" اور لعنت دراصل اللہ تعالی کی رحمت سے دور ہونا ہے۔

اور جب کہ نبی علیہ السلام نے جھوٹ کو منافق کی نشانی قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

(أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَإِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ) ([2])

ترجمہ: منافق کی چار علامات ہیں، جس میں ان میں سے ایک خصلت پائی جائے گویا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت پائی جاتی ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے؛ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے، اور جب لڑائی کرے تو گالی گلوچ کرے۔

مذاق اُڑانا:

اخلاقی برائیوں میں سے ایک برا فعل مذاق اُڑانا ہے۔ چاہے وہ اللہ کے بندوں کا ہو یا دینی شعائر کا بہت بڑے گناہ کا باعث ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾([3])

ترجمہ: وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے

کہنا کچھ اور کرنا کچھ:

قول وفعل کا تضاد اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں ایک ناپسندیدہ عمل ہے، اور یہی برائی ہے جو یہود کے اندر بھی پائی جاتی تھی اور منافقین کا عمل بھی یہی تھا۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرماتے ہیں:

([1]) سورۃ آل عمران:۳:۶۱

([2]) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، حدیث نمبر:۳۴، ص:۱:۳۸

([3]) سورۃ التوبہ ۹:۷۹

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے اے ایمان والو کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔

دھوکہ دینا:

امت مسلمہ میں پایا جانے والا یہ جرم ایسا ہے کہ جسکا ارتکاب منافقوں اور یہود نے کیا اور نبی علیہ السلام نے منافق کی ایک علامت بیان فرمائی ہے کہ:

(إِذَا عَاهَدَ غَدَر) [2] ترجمہ: جب معاہدہ کرتا ہے تو دھوکہ دیتا ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

(مَن غَشَّنَا فَلَيسَ مِنَّا)[3] ترجمہ: جو شخص ہم (مسلمانوں) کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔

بہتان اور تہمت لگانا:

معاشرہ کو تباہ کرنے والے امور میں سے ایک امر بہتان طرازی کا پایا جانا، قرآن کریم میں فرمان باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا﴾ [4]

ترجمہ: اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔

بے حیائی:

معاشرتی برائیوں میں سے بری اور گندی خصلت ہے جسکی وجہ سے معاشرہ تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾[5]

ترجمہ: شیطان تمہیں فقر سے دھمکاتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ تعالی تم سے بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالی وسعت والا اور علم والا ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ [6]

---

(1) سورۃ الصف ۶۱: ۲-۳

(2) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق، حدیث نمبر: ۳۴، ص: ۱: ۳۸

(3) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی من غشنا، رقم: ۱۰۱، ح: ۴۸

(4) سورۃ الاحزاب: ۳۳: ۵۸

(5) سورۃ البقرۃ: ۲: ۲۶۸

(6) بنی اسرائیل: ۱۷: ۳۲

ترجمہ: زنا کے قریب بھی نہ جانا، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی ہے اور بہت ہی بری راہ ہے۔"

آج ہمارے معاشرہ میں کون نہیں جانتا کہ بے حیائی عام ہے اور ہمارا میڈیا آئے روز اس میں بڑھ چڑھ کر اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

حسد:

معاشرہ اور قوموں کو برباد کرنے والی خصلتوں میں سے ایک حسد بھی ہے۔ حسد کہتے ہیں کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر جلنا، اس نعمت کے اس کے پاس سے ختم ہو جانے یا تباہ و برباد ہو جانے کی دل میں آرزو اور امید رکھنا، اس کی وجہ سے انسان ترقی نہیں کر سکتا اسی وجہ سے نبی علیہ السلام نے اسکی شدید مذمت فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا

(لَا تجتَمِعَانِ فِی قَلبِ عَبدٍ الاِیمَانُ وَالحسَدُ)([1]) ترجمہ: آدمی کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہو سکتے۔

یہی وہ بیماری تھی جو یہود میں بھی پائی جاتی تھی۔ اور اس کی وجہ سے ان کی بھی تباہی و بربادی ہوئی اور یہ ایک انتہائی بری خصلت ہے۔

بغض اور کینہ:

یہود کی طرح امت مسلمہ میں بھی یہ قبیح جرم پایا جاتا ہے، کینہ اور بغض سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور نفرت لوگوں کے درمیان، لڑائی و جھگڑے کا سبب بنتی ہے جس سے معاشرہ کا امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔

اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

(لاَ تَحَاسَدُوا وَلاَ تَبَاغَضُوا)([2]) ترجمہ: ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو۔

فساد پھیلانا:

دین اسلام امن کا درس دیتا ہے اور ہر طرف امن و سکون اور سلامتی کو دیکھنا چاہتا ہے اور فساد پھیلانا انسانیت کے امن و سکون کو برباد کرتا ہے اسی وجہ اللہ تعالی نے اسکی سخت مذمت فرمائی ہے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالی:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ([3])

([1]) سنن نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۴۳۰ھ کتاب الجھاد، باب فضل من عمل فی سبیل اللہ، ح۳۱۱۱، ص۵۹۸

([2]) صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، باب النَّهْيِ عَنِ التَّحَاسُدِ وَالتَّبَاغُضِ وَالتَّدَابُرِ، ح۶۵۳۰، ص ۱۱۲۲

([3]) سورۃ المائدہ:۵: ۳۳

ترجمہ: وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور مُلک میں فساد کرتے پھرتے ہیں ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا اُن کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جائیں یا زمین سے دور کر دیئے جائیں یہ دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کے لئے بڑا عذاب۔

غرض یہ وہ جرائم تھے جو یہود کی طرح جب امت میں آئے تو امت مسلمہ بھی دنیا میں انحطاط کا شکار ہونے لگی اور ان جرائم کی موجودگی میں ترقی ناممکن ہے اس لیے ضروری ہے کہ ان جرائم سے امت کو بچایا جائے تاکہ آنے والی کل بہتر ہو سکے۔

فصل سوم: دونوں کے اسباب زوال میں مماثلت

اقوام عالم میں عروج وزوال کا سلسلہ تا قیامت رہے گا، کوئی غالب ہو گا تو کوئی مغلوبیت کی زندگی بسر کرے گا۔ جہاں تک یہود اور امت مسلمہ کے اسباب زوال میں مماثلت کا تعلق ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں کیوں نبی ﷺ نے اس بات سے متنبہ فرما دیا تھا کہ تم اپنے سے قبل لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے اور پھر ان کی طرح کے اعمال کر کے جس طرح وہ ہلاک ہوئے تم بھی ہلاک ہو جاوگے۔

یہود اور امت مسلمہ کے اسباب زوال میں اگر غور کیا جائے تو ہمیں بہت بڑی مماثلت دیکھائی دیتی ہے۔ یہود سے متعلق اللہ تعالی قرآن میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوّاً كَبِيراً﴾(1)

ترجمہ: اور ہم نے فیصلہ کیا بنی اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں کہ تم زمین میں دوبار فساد برپا کروگے اور تم بڑی زیادتیاں کروگے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود پر اس سے قبل ایک اچھا دور بھی آیا ہے جس میں اللہ تعالی نے ان پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمایا، لیکن فساد فی الارض کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان پر عذاب نازل کیا اور وہ عروج زوال میں بدل گیا۔ یہ فساد اور فتنہ انگیزی جس کے متعلق بائبل کی مجموعہ کتب میں یہ تنبیہات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔

پہلی فتنہ انگیزی جب یہود موسی علیہ السلام کے ساتھ مصر سے فلسطین آئے تو اس وقت بھی وہ فلسطین کو فتح کرنے کے بجائے قبائل میں بٹ گئے اور افتراق کی راہ اختیار کی، جہاد سے انحراف کیا، شرک اور بے حیائی کو اپنایا تو اس وقت بحت نصر نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔(2)

اور دوسری فتنہ انگیزی حضرت عزیر علیہ السلام نے جب دین موسوی کی تجدید کی اور یہود نے از سرنو اللہ تعالی کی بندگی اختیار کی اور ڈیڑھ سو سال بعد بیت المقدس یہود کے قبضہ میں آیا۔ لیکن دبارہ وہی روش اسی طرح شرک وبدعات ان میں آگئیں، افتراق واختلاف بڑھ گیا تو اس وقت رومی بادشاہ نے یروشلم پر قبضہ کیا یہود کی ایک بڑی تعداد کو قتل ہو گئی۔(3)

تو اس طرح یہ دوبار یہود نے فساد پھیلایا تو اللہ تعالی نے ان سے اقتدار چھین لیا اور ذلت اور رسوائی ان ک مقدر بنی۔

اب بلکل اسی طرح جب ہم امت مسلمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو امت مسلمہ ہمیں آپ ﷺ کے فرمان "کہ تم ضرور

---

(1) سورۃ بنی اسرائیل ۱۷: ۴

(2) زبور، باب ۱۰۶: ۳۴

(3) تیسیر القرآن: ۳: ۵۶۸

اپنے سے پہلے لوگوں کی پیروی کروگے "([1]) کی عملی تصویر نظر آتی ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور مین اسلامی سلطنت سپرپاور بنی جسکی نظیر دنیاپیش کرنے سے قاصر ہے لیکن جب انہوں نے قرآنی تعلیمات سے انحراف کیااور بیرونی سازشوں کی دخل اندازی کی وجہ سے اتنی مضبوط سلطنت بھی زوال پزیر ہوگئی۔

جس طرح یہود اورامت مسلمہ کے اسباب عروج میں مماثلت کا ذکر ہوا، تو اسی طرح درجہ بالا بحث مین دونوں کے اسباب زوال میں مماثلت ذکر کی جاتی ہے۔

اعتقادی پسماندگی مین مماثلت:

یہود اور امت مسلمہ میں جو بنیادی سبب ہمیں نظر آیاوہ عقیدہ میں خرابی پیدا ہونا ہے۔جب ہم یہود کی تاریخ کا مطالع کرتے ہیں توہمیں ان پر دشمنوں کے مصلت ہونے کی جو بڑی وجہ نظر آتی ہے وہ شرک وبدعت اوہام خرافات ہیں۔

جیسا کہ مودودی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"ان میں مشرکانہ سوسائٹی میں رہنے کی وجہ سے دوبارہ شرک داخل ہوگیا۔اور جبکہ یہ دور ان کے لیے عروج کا دور تھا اور مصر میں ان کو بڑا اثرورسوخ حاصل ہوا۔پندرہویں صدی قبل مسیح کے آخر تک ملک کا سارا اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔لیکن اپنی بداعمالیوں اور شرک کے ارتکاب کی وجہ سے اقتدار ان سے چھن گیا اور ان پر مظالم کا سلسلہ شروع ہو گیا جن کا ذکر حضرت موسیٰ وعلیہ السلام کے قصے میں آتا ہے۔"([2])

اور اسی طرح امت مسلمہ بھی جب نظریاتی طور پر کمزور ہوئی تو وہ آئے روز تنزلی کی جانب بڑھنے لگی اور اس کی بڑی وجہ عقیدہ کی خرابی،بدعات وخرافات کا امت میں داخل ہو جانا تھا۔اور امت مسلمہ کی تاریخ میں وہ دور بھی دیکھا گیاجو اس کے عروج کادور تھا دنیاعالم میں یہ امت ایک سپر قوت تھی جسکی بنیادی وجہ عقیدہ توحید اور اس کی پاسداری تھی۔اور اللہ تعالی نے بھی بلندی اور غلبہ کی بنیادی وجہ عقیدہ توحید اور ایمان کو قرار دیاہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾([3])

ترجمہ:تم نہ سستی کرواور نہ غمگین ہو،تم ہی غالب رہوگئے اگر تم ایمان دار ہو۔

اور جب عقائد خراب ہوئے بدعات وخرافات نے ان میں اپنا مسکن بنایاتو پھر عروج زوال میں بدلنے لگاعین اسی طرح جس طرح یہود میں دوسری اقوام سے شرک وبدعت نے جگہ پکڑی اور انبیاء کی تنبیہات کے باوجود وہ نہ رکے تو اللہ تعالی نے دوسری اقوام کو ان پر مسلت کر کیا جنھوں نے ان سے جینے کا حق بھی چھین لیا۔

([1]) صحیح مسلم،کتاب العلم،باب اتباع سنن الیہود،ح ۶۷۸۱،ص ۱۱۶۲

([2]) تیسیر القرآن ۳:۵۶۹

([3]) سورۃ آل عمران ۳:۱۳۹

احکام الٰہی سے دوری میں مماثلت:

اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ احکام ہدایت کا سرچشمہ ہوتے ہیں جن کی پیروی فلاح وکامیابی کی ضامن ہوتی ہے، اور خالاف ورزی ذلت اور رسوائی کا ذریعہ بنتی ہے۔یہود نے احکام الہی کو بدل ڈالا تھا اور اس تحریف اور تبدیلی کی وجہ سے وہ اللہ تعالی کی پکڑ میں آگئے اور خسارہ پانے والوں میں سے ہوگئے۔اس بر عکس امت مسلمہ پر نازل ہونے والی کتاب اسکی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالی نے لیا ہے۔البتہ امت مسلمہ نے بھی اس کتاب ہدایت کی تعلیمات پر عمل میں سستی کی یہود کی طرح وہ احکام جو نفس کے موافق تھے اپنائے اور نفس کے خلاف احکام کی مخالفت کی اور یہود کی طرح مختلف تاویلات نکالنے لگے۔

اور یہود کی طرح امت مسلمہ میں بھی چند لوگوں نے کتاب کے علم کو سیکھنا ضروری سمجھا عام لوگ خود بھی اس کی تعلیم سے دور رہے اور ان کو دور رکھا بھی گیا۔اور بجائے اس کتاب میں تدبر و تفکر کرتے صرف حصول برکت اور ثواب تک محدود رکھا گیا۔

پیغمبر کی مخالفت میں مماثلت:

انبیاء ورسل کی بعثت اللہ تعالی کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے کیوں کے انبیاء اور رسول انسانوں کے ان اپنے نفسوں سے بڑکر خیر خواہوتے ہیں ،جنکی اطاعت باعث فلاح اور نافرمانی باعث رسائی ہوتی ہے۔اور یہود کی طرف مبعوث ہونے والے انبیاء انکی ایک بڑی تعداد ہے۔بعثت رسول انعام الہی میں سے ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ﴾ (1)

ترجمہ:اور یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:"اے میری قوم کے لوگو!اللہ تعالی کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں دی تھی،اس نے تم میں نبی پیدا کیے۔

اور رسول کی بعثت کا مقصد ہی اتباع ہے۔لیکن یہود کا معاملہ انبیاء کے ساتھ اس بر عکس رہا۔انہوں اطاعت کے بجائے نافرمانی کی یہاں تک وہ قتل انبیاء جیسے بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے تو لازمی بات ہے کہ ذلتو رسوائی ان کا مقدر بنی تھی۔

اور نبی ﷺ کی اطاعت اللہ تعالی کی اطاعت ہے اسی طرح نبی ﷺ کی نافرمانی بھی اللہ تعالی کی نافرمانی ہے۔امت مسلمہ کو نبی ﷺ کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔اور قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اللہ تعالی نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ فلاح ق کامیابی نبی کی اطاعت میں ہے۔لیکن جب امت مسلمہ نے نبی ﷺ کی

---

(1) سورۃ المائدۃ:۵:۲۰

نافرمانی کی راہ اختیار کی تو یہود کی طرح وہ بھی انحطاط کا شکار ہوگئی اور پھر ذلت و رسوائی امت پر چھانے لگی اب اس ذلت اور رسوائی اور انحطاط سے نکلنے کا حل صرف اور صرف پیغمبر کی اطاعت اور اتباع ہے۔

ترک جہاد میں مماثلت:

عدل و انصاف کے قیام کا سب سے بڑا ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ جہاد ظاہری طور پر ناپسندیدہ عمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں اقوام کی بقا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: قتال تم پر فرض کیا گیا ہے گو وہ تمیں دشوار معلوم ہو، ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو بری جانو اور وہی تمہارے لیے بھلی ہو اور یہ بھی ممکن ہے تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لیے بری ہو، حقیقی علم اللہ ہی کو ہے، تم محض بے کبر ہو۔

یہود کی تاریخ میں ترک جہاد کی واضح مثال خروج مصر سے فلسطین میں داخل ہوتے وقت ان کا جہاد سے انکار تھا جبکہ فلسطین جو سر سبز و شاداب علاقہ تھا ہر قسم کی نعمت اس میں میسر تھی۔ لیکن اس انکار کی وجہ سے ایک طویل مدت وہ میدان تیہ میں پڑے رہے۔

اور اسی طرح امت مسلمہ کی تاریخ پر ایک طاہرانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اس امت میں جہاد فی سبیل اللہ کے فریضہ پر عمل رہا ہے تو دنیا میں اسلام کا علم سربلند رہا ہے۔ لیکن جب مسلمانوں نے دنیا کی محبت، حرص و لالچ کی وجہ سے اس عظیم عمل میں سستی کی تو وہ انحطاط کا شکار ہوئے۔

اخلاقی پستی میں مماثلت:

قوموں کے عروج و زوال میں اخلاق کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے۔ اور اخلاقی پسماندگی قوموں کے تنزل کی ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہود جب اخلاق سیئہ کی انتہا کو پہنچے تو زمین کی بادشاہت ان سے چھین لی گئی۔ اخلاق سیئہ میں ہر قسم کی برائی شامل ہے اور سب سے بڑی اخلاقی برائی شرک باللہ ہے کیوں کہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کائنات میں سب سے بڑا ظلم ہے۔ غرض یہود ہر قسم کے اخلاقی جرم کا مجسمہ تھے۔ اور امت مسلمہ بھی جب یہود کے نقش قدم پر چلی تو وہ تمام اخلاقی برائیاں امت میں آگئیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں۔ جھوٹ، بددیانتی، غبن، خیانت، چوری، غصب، ملاوٹ، سود خوری، ناپ و تول میں کمی، بہتان طرازی، وعدہ کی خلاف ورزی اور اس نوعیت کے دوسرے جرائم آج اس امت میں بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ یہی جرائم تھے جسکی بنیاد پر خدا کے نبیوں نے بنی اسرائیل پر لعنت کی تھی، اور وہ ہمیشہ کیلئے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گے۔

---

(1) سورۃ البقرۃ ۲:۲۱۶

اتحاد و اتفاق کا فقدان میں مماثلت:

جب کسی قوم میں اختلاف کی بیماری آتی ہے تو قوم فرقوں میں بٹ جاتی ہے، تو ایسی اقوام پر دشمن آسانی سے غالب آجاتا ہے۔ یہود اور امت مسلمہ میں بھی اس مرض کا آنا انکے انحطاط کا بڑا سبب ہے۔ یہود جنگی تفرقہ بازی پر تورات اور قرآن کریم دونوں شاہد ہیں۔ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور کے بعد یہود دو گرہوں میں بٹ گئے جس کی وجہ سے دوسری اقوام نے بہت جلد ان پر غلبہ پالیا تھا۔

اور امت مسلمہ کے انحطاط میں بھی ایک بنیادی وجہ فرقہ واریت اور اتفاق کا فقدان ے تھی۔ نبی ﷺ کی موجودگی میں امت اس قسم آلودہ فضا سے محفوظ رہی، اور آپ ﷺ کے بعد شیخین کے ادوار میں بھی امت متفق و متحد رہی۔ لیکن شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد مسلمانوں میں اس مرض کا آغاز ہونے لگا اور رفتہ رفتہ امت مسلمہ اس مرض کا شکار ہوتی چلی گئی۔

اور اسی طرح بنو امیۃ کے زوال میں ایک بڑا سبب فرقہ واریت تھی۔ جیسا کہ ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن لکھتے ہیں:

"دور بنو امیہ کے مختلف فرقوں اور ان کی سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دولت بنو امیۃ کے زوال میں فرقہ واریت کا بڑا حصہ ہے"([1])

اور اسی طرح بنو عباس کی تاریخ کے بغور مطالع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا زوال بھی فرقہ واریت کی وجہ سے ہوا۔ غرض امت مسلمہ کا بہترین دور جو کہ خلافت عثمانیہ کا دور تھا اس کا اختتام بھی اسی فرقہ واریت کی وجہ سے ہوا۔

امر و نھی کے فریضے سے انحراف میں مماثلت:

اللہ تعالی نے اس فریضے کی ادائیگی کرنے والے اپنے بندوں کو خسارہ سے امان بخشی ہے۔ اور امر نھی کو بندوں کی فلاح و کامیابی والے اعمال میں شمار کیا ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَالْعصر إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُواالصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾([2])

ترجمہ: زمانے کی قسم، کہ انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے، جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، اور ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت اور صبر کی تلقین کرتے رہے۔

یہود میں یہ جرم پایا جاتا تھا کہ وہ نہ تو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے تھے اور اسی جرم کی وجہ سے انبیاء کی زبانی ان پر لعنت کی گئی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا

([1]) مسلمانوں کی سیاسی تاریخ، ڈاکٹر حسن ابراھیم حسن، ۲ بدون سنہ: ۱۷

([2]) سورۃ العصر: ۱۰۳: ۱،۳

لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾([1])

ترجمہ: بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داود اور عیسی ابن مریم علیھم السلام کی زبان سے لعنت کی گئی کیو نکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور وہ زیادتیاں کرنے لگے تھے انہوں نے ایک دوسرے کو بڑے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا کتنا برا طرز عمل تھا جو انہوں نے اختیار کیا۔

اور امت مسلمہ جس کو خیر امت کا لقب ہی اس فریضے کی ادائیگی پر دیا گیا ہے جب اس نے اس فریضے کی ادائیگی سے اعراض کیا تو اللہ تعالی نے ان کے عروج کو انحطاط میں بدل دیا، اور آج امت مسلمہ کی موجودہ حالت کی ایک وجہ امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں کمزوری ہے۔

خصائل سیئہ میں مماثلت:

اس سے قبل اسباب زوال میں جو بنیادی اسباب تھے ان کا ذکر ہوا جبکہ ان علاوہ بہت سے ایسے جرائم ہیں جو یہود میں پائے جاتے تھے جن کی وجہ سے یہود جو لاتعداد انعامات الٰہی پانے کے باجود دنیا میں ذلت اور رسوائی والی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے۔

اور امت مسلمہ جو نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے فرمان:

(لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا شِبْرًا وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى قَالَ فَمَنْ؟)([2])

ترجمہ: تم پہلی امتوں کی ضرور باضرور پیروی کروگے اور ان کے نقش قدم پر چلوگے۔ یہاں تک کہ اگر وہ لوگ گوہ کے بل میں داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی اس میں داخل ہوگے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کیا یہود و نصاریٰ (مراد ہیں)، تو فرمایا اور کون؟

کہ مطابق تمام وہ جرائم جو یہود مین پائے جاتے تھے وہ آج کسی نہ کسی شکل میں امت میں بھی موجود ہیں۔ اور یہ جو مماثلت اور مشابہت ہے یہ کلی نہیں بلکے جزوی ہے۔ اور ایسے بہت سارے اعمال ہیں جو یہود کی تباہی اور بربادی کا سبب بنے تھے وہ آج امت مسلمہ میں موجود ہیں جن کا ذکر اختصار سے کیا جاتا ہے۔

حرص دنیا:

ہود جن میں یہ بری خصلت پاجاتی تھی کہ وہ دنیا کے بہت زیادہ حریص تھے جس کا ذکر یہود کے مذھبی لٹریچر اور قرآن کریم میں پایا جاتا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَاهُوَ بِمُزَحْزِحِهِ

([1]) سورۃ المائدۃ:۵/۷۹

([2]) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب اتباع سنن الیہود، ح ۶۷۸۱، ص ۱۱۶۲

مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ﴾ ([1])

ترجمہ: بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص اے نبی ﷺ آپ ان ہی کو پائیں گے یہ حرص زندگی میں مشرکوں سے بھی زیادہ ہے ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی زندگی چاہتا ہے گویا کہ یہ عمر زیادہ چاہنا بھی انہیں عذاب سے نہیں چھڑا سکتا اللہ تعالی ان کے کاموں کو خوب دیکھ رہا ہے۔

اور امت مسلمہ میں جب یہ بری خسلت پائی گئی تو یہود کی طرح ان پر بھی دنیا کی اقوام ٹوٹ پڑیں کیوں کہ نبی ﷺ نے حرص دنیا کو امت کی ھلاکت کا بہت بڑا سبب قرار دیا جیسا کہ دنیا کے مسلمانوں پر غالب آنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: (حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ)([2]) دنیا کی محبت اور موت کا ڈر ہے۔

اور اسی سے متعلق ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

(فَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ اَخشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ)([3])

ترجمہ: اللہ کی قسم! مجھے تمہارے فقر کا خوف نہیں لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ تمہارے لیے دنیا کھل جائے گی جیسے تم سے پہلے لوگوں کے لیے کھلی اور تم دنیا میں رغبت کروگے جیسے انہوں نے کی، وہ تمہیں ہلاک کردے گ ء جیسے انہیں ہلاک کیا۔

غرض حرص دنیا جس طرح یہود کی ھلاکت کا سبب بنی آج امت مسلمہ بھی اسی جرم کی وجہ سے انحطاط کا شکار ہے۔ اسی طرح دیگر بہت سی ایسی خصائل سیئہ ہیں جو یہود میں پائی جاتی تھیں جو آج امت میں بھی ہیں جیسا کہ یہود شرعی حدود میں امیر وغریب کا فرق کرتے تھے اور پھر یہی جرم تھا جس کہ متعلق نبی ﷺ نے اپنی امت متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

(انماکان اھلکوا من قبلکم اذ سرق فیھم الشریف ترکوہ---)-([4])

ترجمہ: تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ ان میں سے جب کوئی عزت والی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیا جاتا۔

المختصر ایسے بہت سے جرائم ہیں جن کی وجہ سے یہود زوال کا شکار ہوئے آج وہ تمام جرائم اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں اور امت کو اپنے عروج کو پانے کے لیے ان تمام خصائل سیئہ سے اپنے دامن کو پاک کرنا پڑے گا جن کی وجہ سے یہود کو ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

([1]) سورۃ البقرۃ ۲/ ۹۶

([2]) سنن ابی داوٗد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ح ۴۲۹۷، ص ۷۶۹۔ امام البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سلسلۃ الصحیحۃ، ص: ۶۸۴/ ۲

([3]) صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب من یحذر من زھرۃ الدنیا التنافس فیھا، ح: ۶۴۲۶ ص: ۹:۷۰۷

([4]) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، ح ۴۴۱۰، ص ۷۴۸

باب چہارم

امت مسلمہ کے زوال سے نکلنے کی تدابیر

فصل اول: اتحاد امت اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

فصل دوم: عمل بالشرع اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

فصل سوم: عدل اجتماعی اور اس کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

فصل اول: اتحاد امت کی اہمیت قرآن مجید اور تورات کی روشنی میں

امت مسلمہ آج جس انحطاط کا شکار ہے اور دن بدن جس زوال کی طرف جارہی ہے اس سے بچنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ اتحاد امت ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ امتوں کے عروج وزوال، خوشحالی اور بدحالی میں اتحادواتفاق، باہمی اختلافات و انتشار اور نفرت وعداوت بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج کے دور میں مسلمانوں کی ذلت ورسوائی کی وجوہات میں ایک بڑی وجہ اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔ اور آپس میں اختلاف وانتشار اور تفرقہ بازی جیسی امراض ہیں، جنھوں نے آج مسلمانوں کو مفلوج کرکے رکھ دیاہے اور اسی وجہ سے آج اغیار ہم پر غالب ہوتے جا رہے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اس وحدت کی تعلیم جو اس امت کو دی گئی تھی اغیار اس پر عمل کرکے خود کو دنیا میں منوا رہے ہیں اور امت مسلمہ کے لیے devoid and rules والا فارمولہ استعمال کررہے ہیں

اتحاد امت کا مفہوم:

(اتحاد امت) یہ دو کلموں سے، مرکب ہے، اتحاد اور امت۔

ابن منظور کے بقول اتحاد وحدت سے ماخوذ ہے جو وَحَدَ سے مصدر ہے۔(1)

اتحادامت اور وحدت کی علماء نے لغوی تعریفات کے ساتھ اصطلاحی معانی بھی بیان کیے ہیں، وحدت کی بہت ساری اصطلاحی تعریفات بیان کی گئی ہیں میں یہاں صرف ایک تعریف پر اکتفاء کرتاہوں۔

"ھی اتحاد الدول اوالبلادوالافراد،والجماعات لسائر امورحیاتھم ومعاشھم وسیرتھم وغایتھم وبموجب ھذہ الوحدۃیصبح الجمع شئی واحداوامۃواحدۃ یقالاتحادالبلدان،اتحدالبلدان ای صارابلدا واحدا"(2)

ترجمہ: اتحاد امت یہ ملکوں، شہروں اور افرادو جماعتوں کا متحد ہونا ان کی زندگی، معاش، سیرت اور اہداف کے تمام امور میں۔ اور یہ وحدت تمام چیزوں کو ایک جگہ جمع کرنا تونہیں کہ تمام بلاد ایک بلاد ہوگئے۔

اتحادِ امت کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن مجید میں اتحادواتفاق کی اہمیت تفصیلاً مذکور ہے۔ اسلام ایک عظیم دین ہے اس کے اہم ترین اصولوں اور قواعد میں یہ بات شامل ہے کہ مسلمانوں کو حق پر جمع کیاجائے دلوں میں باہمی الفت ڈالی جائے، یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا احسان اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جھتلایاہے۔

---

(1) لسان العرب، مادہ(وحد)، ص: ۴۴۶:۲

(2) مفتاح دار السعادۃ، ابن القیم الجوزیۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ۲۰۱۹ء ص: ۱۷۲:۱

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ([1])

ترجمہ: ان کے دلوں میں باہمی الفت بھی اسی نے ڈالی ہے، زمین میں جو کچھ ہے آپ سارے کا سارا بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دل آپس میں نہ ملا سکتے تھے۔ یہ تو اللہ ہی نے ان کے دلوں میں الفت ڈالی وہ غالب حکمت والا ہے۔

اتحاد کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو حکم دیا کہ دین پر قائم رہو اور فرقوں میں نہ بٹو۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ﴾([2])

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا حکم نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی امتوں کو عبادت پر متحد ہونے کی تعلیم دی۔ جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ---﴾ ([3])

ترجمہ: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔

اتحاد ایک ناقابلِ تردید اسلامی و دینی ضرورت ہے۔ اسی لیے تمام رسالتوں میں متفقہ اصول رہا ہے اور امت کے لیے عظمت و رفعت واپس لانے کا آج بھی حل اتحاد ہی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے مابین رابطے قائم اور بحال ہوں گے اور اسلام کا تحفظ بھی ہو گا۔

اللہ تعالیٰ نے اتحاد و اتفاق کو لازمی قرار دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا--﴾([4]) ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقہ نہ پھیلاؤ۔

ابن جریر طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اللہ کے دین پر مضبوطی سے کاربند رہو جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے لیے ہوئے عہد پر قائم رہو جو کہ کلمہ حق پر

([1]) سورۃ الانفال ۸: ۶۲۔۶۳

([2]) سورۃ الشوریٰ: ۴۲: ۱۳

([3]) سورۃ الاعراف: ۷: ۵۹

([4]) سورۃ آل عمران: ۳: ۱۰۳

اتحاد اور محبت سمیت احکامات الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مشتمل تھا۔"([1])

جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتحاد واتفاق کا حکم دیا ہے وہاں پر ان کو اختلافات اور گروہ بندی سے روکا ہے۔

جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾ ([2])

ترجمہ: اور مشرکین میں شامل نہ ہو جانا۔ جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کر دیئے اور خود گروہوں میں بٹ گئے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس امت کو باخبر کیا کہ تم سے پہلی اقوام لڑائی جھگڑے اور اللہ کے دین کے متعلق اختلافات کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ---﴾ ([3])

ترجمہ: اور دوسری راہوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا کر جدا جدا کر دیں گی۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾([4])

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے ان سے آپ کو کچھ سروکار نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ پھر وہ خود ہی انہیں بتلادے گا کہ وہ کن کاموں میں لگے ہوئے تھے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں کہ انہوں نے گروہ بندی کر کے اپنے دین کی حقیقت کو مسخ کیا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہود ونصاریٰ فرقہ بندی کی وجہ سے مبغوض ہوگئے تو امت مسلمہ میں فرقہ بندی کرنے والا کس قدر مبغوض ہوگا؟

لیکن نبی کریم ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کہ یہاں فرقہ بندی کرنے والوں سے مراد اس امت کے اہلِ بدعت، اہل شبہات اور اہلِ الضلالۃ ہیں([5])

([1]) تفسیر طبری، ۷: ۷۰

([2]) سورۃ الروم: ۳۰: ۳۱۔۳۲

([3]) سورۃ الانعام: ۶: ۱۵۳

([4]) ایضا: ۶: ۱۵۹

([5]) مجمع الزوائد، امام فخر الدین الرازی، مطبوعہ بیروت، ۱۹۸۶ء ص: ۷ / ۲۲، بحوالہ تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، اردو بازار لاہور، بدون سنہ ص: ۳/ ۱۹۷

ان آیات کریمہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اتحاد واتفاق کو اپنے بندوں کے لیے پسند فرمایااور اس کی ترغیب دی اور تفرقہ بازی وانتشار سے منع فرمایااور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا کہ یہود ونصاریٰ میں یہ بری خصلت، موجود تھی جو ان کی تباہی کی وجہ بنی۔

امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"ان الذین فرقوا دینهم من هذه الامة هم اهل البدع والشبهات واعلم ان المراد من الأیة الحث علی ان یکون کلمة المسلمین واحدة وان لایتفرقوا فی الدین ولایبتدعواالبدع"([1])

ترجمہ:ان الذین فرقوا دینهم سے مراد اس امت کے اہلِ بدعت اور اہلِ شبہات ہیں۔ جان لے کہ اس آیت کریمہ سے مراد مسلمانوں کو ایک بات پر متفق ہونے پر ابھارنا ہے اور یہ کہ وہ دین میں فرقہ بندی نہ کریں اور بدعتیں نہ نکالیں۔

اتحاد کی اہمیت تورات کی روشنی میں:

جہاں تک اتحاد کا تعلق ہے تو اس سے متعلق تورات میں کوئی واضح بیان ہمیں نہیں مل سکا، البتہ امن کے حوالہ سے کچھ فرامین ملتے ہیں اور امن بھی تب ممکن ہے جب معاشرے کے افراد متحد و متفق ہوں گے کیوں کہ تمدن کے ارتقاء کے لیے امن و امان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ یہود میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعائے امن اس بات کی دلیل ہے کہ کرۂ ارضی کی فلاح اور اس کی معاشی و تمدنی ترقی کا انحصار امن پر ہے۔ جہاں امن ہو گا وہیں اقتصادی خوش حالی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گا۔

عہد نامۂ قدیم میں امن کی اہمیت اس کی درج ذیل تعلیمات سے عیاں ہے:

"جو امن و امان کے لیے کام کرتے ہیں، خوشی پائیں گے۔"([2])

اس ضمن میں زبور کا بیان ہے:

"پاک اور فرماں بردار رہو۔ لوگ جو امن سے محبت کرتے ہیں ان کی نسل ایک اچھا مستقبل پائے گی"۔([3])

ایک دوسرے مقام پر یوں بیان آیا ہے:

"امن کے لیے کام کرو، امن کی کوششوں میں لگے رہو جب تک اسے پانہ لو"۔([4])

([1]) تفسیر الرازی ابوعبداللہ محمد عمر بن الحسین التیمی الرازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع الثالثہ ۱۴۲۰ھ ۱۴:۱۸۸

([2]) امثال:۱۲: ۲۰

([3]) زبور،۳۷: ۳۷

([4]) زبور:۱۴: ۳۴

یہودی تعلیمات کے مطابق بھلائی اور نیکی کے فروغ کے لیے امن کا قیام ناگزیر ہے۔ ان میں امن کو اہم قرار دیا گیا ہے اوراس کے قائم کرنے پر زور دیا گیا ہے:

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو اسے صلح کا پیغام دینا"۔(1)

عالم گیر امن کا دور

عہد نامہ قدیم میں بنی اسرائیل کے دو جلیل القدر انبیاء سیدنا یرمیاہ اور سیدنا یسعیاہ کی نبوتیں عالمی امن کی نوید ہیں۔ ان کا دور نبوت چالیس برسوں پر محیط ہے۔ اس دور میں یہوداہ کے پانچ بادشاہوں (یوسیاہ، یہوآخز، یہویقیم، یہویاکین اور صدقیاہ) نے حکومتیں کیں۔ بنی اسرائیل کے عروج وزوال کے یہ چشم دید انبیاء ہیں۔ سیدنا یسعیاہ انبیاء بنی اسرائیل میں ممتاز ترین مقام رکھتے ہیں۔ انہیں طائرانِ نبوت کا شاہین اور عہد قدیم کا مبشر جیسے القابات سے نوازا گیا ہے۔ سیدنا یسعیاہ اور سیدنا یرمیاہ کی یہ رویا عالمی امن کی تمہید ہیں۔ امن عالم کی یہ نوید یں اور ان کی تعبیریں مذاہب ثلاثہ کے لیے رہ نما ہیں۔ کتاب یسعیاہ میں ہے:

"وہ بات جو یسعیاہ بن آموص نے یہوداہ اور یروشلم کے حق میں رویا میں دیکھی۔ آخری دنوں میں یوں ہو گا کہ خداوند کے گھر کا پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹی پر قائم ہو گا اور سارے پہاڑوں سے بلند ہو گا۔ سبھی ملکوں کے لوگ وہاں جایا کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں خداوند کے پہاڑ پر جانا چاہئے، ہم کو یعقوب کے خدا کے گھر میں جانا چاہئے اور خدا ہمیں اپنی راہیں بتائے گا اور ہم اس کے راستوں پر چلیں گے، کیوں کہ یروشلم میں کوہ صیون پر خدا کے کلام کا آغاز ہو گا اور وہاں سے شریعت روئے زمین پر پھیلے گی۔ وہ کئی قوموں کے درمیان انصاف کرے گا اور بہت سی دوسری قوموں کے لیے فیصلہ کرے گا۔ وہ اپنی تلواروں کو توڑ کر بھالے بنائیں گے اور لوگ اپنے بھالوں کا استعمال درانتی بنانے میں کریں گے۔ ایک دوسرے سے جنگ نہ چھیڑ یں گے اور وہ لوگ کبھی جنگ کا فن نہیں سیکھیں گے۔ اے خاندانِ یعقوب! آؤ، ہم لوگ خدا کی روشنی میں چلیں۔"(2)

تورات کی ان آیات سے اتحاد کی اہمیت واضح ہوتی ہے کیوں کہ ادیان سماویہ میں انسانوں کو اتحاد و اتفاق کی تعلیم دی گئی ہے اور اقوام کی فلاح تب ہی ہے جب وہ آپس میں متحد اور متفق ہیں۔

اتحاد کی اہمیت احادیث کی روشنی میں:

جس طرح قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتحاد و اتفاق قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور باہمی تفرقہ و انتشار سے سختی سے منع کیا ہے اسی طرح نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو اتحاد کا درس دیا اور امت کی بقاء کا ضامن اتحاد کو قرار دیا اور تفرقہ بازی کو امت کی تباہی کا سب سے بڑا سبب قرار دیا۔

---

(1) استثناء:۱۰: ۲۰

(2) یسعیاہ:۱: ۲۔۵

چنانچہ احادیث نبویہ میں اتحادواتفاق کی بہت زیادہ اہمیت پائی جاتی ہے اور فرقہ واریت، انتشار، جنگ وجدل کی مذمت بھی آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے ہمیں ملتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کے ساتھ دی ہے۔ فرمایا:

(مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى)([1])

ترجمہ: مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت وشفقت اور رحم کرنے میں ایک جسم کی مانند ہے اگر جسم کا کوئی ایک عضو بیمار ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے جاگنے اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے اپنی ساری امت کو جسد واحد قرار دیا ہے اور امت کے ہر فرد کو اس کا عضو قرار دیا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر کسی ایک فرد کو کوئی تکلیف پہنچے تو یہ تکلیف پوری امت کو محسوس ہوتی ہے۔ تو ایک شخص کی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پوری امت کوشش کرتی ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب امت میں اتحاد واتفاق ہو گا۔

اس بات کی مزید وضاحت نبی کریم ﷺ کے ایک دوسرے فرمان سے ہوتی ہے۔

(المؤمنُ لِلمُؤمِنِ كَالبُنيَانِ يَشُدُّ بَعضُهُ بَعضًا--)([2])

ترجمہ: مومن اپنے دوسرے مومن بھائی کے لیے ایک عمارت کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا بعض بعض کو مضبوط کرتا ہے۔

اس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے اتحاد کی اہمیت ذکر فرمائی اور امت کو ایک مستحکم عمارت سے تشبیہ دی جس طرح عمارت کی مضبوطی اور استحکام تب ممکن ہے جب عمارت میں استعمال ہونے والی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے ملی ہوئی ہو، بالکل اسی طرح امت کا ہر فرد امت میں ایک منفرد مقام وحیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح عمارت کی مضبوطی اینٹوں کے ملنے سے ہوتی ہے اسی طرح امت ی مضبوطی واستحکام امت کے افراد کے آپ میں ملے رہنے سے ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جس طرح اتحاد واتفاق کو قائم رکھنے کی اہمیت بیان کی تو اسی طرح اتحاد واتفاق کے نقصانات کو بھی بیان فرمایا ہے: (إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم يأخذ الشاة الشاذة القاصيية والناحية وإياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامة والمسجد)([3])

([1]) صحیح مسلم،، کتاب البر والصلة والآداب، باب تَرَاحُمِ الْمُؤْمِنِينَ وَتَعَاطُفِهِمْ وَتَعَاضُدِهِم، ۶۵۸۶، ص: ۱۱۳۱

([2]) سنن ترمذی، باب شفقة المسلم علی المسلم، کتاب المظالم، باب لایظلم المسلم، ح ۱۹۲۸ ص: ۵۹۱

([3]) کنز العمال فی سنن الاقوال، مؤسسة الرسالة، طبعہ، خامس، ۱۹۸۱، ۱۴۰۱ء، باب فی الاعتصام فی الکتاب والسنة، ح ۱۰۲۸: ۱/ ۲۰۱۔

ترجمہ: بیشک شیطان انسان کے لیے ایک بھیڑیا ہے جیسے بھیڑ بکریوں کا بھیڑیا ہوتا ہے اور ہمیشہ اپنے ریوڑ سے جدا ہونے والی، آگے یا ایک طرف نکل جانے والی بھیڑ بکری کو بھیڑیا کھاجاتا ہے اور میں تمہیں اسبات سے ڈراتا ہوں کہ تم گروہوں اور فرقوں میں بٹ جاؤ بلکہ تم پر لازم ہے کہ جماعت اور عوام الناس کے ساتھ رہو۔

اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے مثال دے کر اپنی امت کو سمجھایا ہے کہ ایسی بکری جو اپنے ریوڑ سے الگ نہیں ہوتی وہ بھیڑیے کے حملے سے محفوظ رہتی ہے اور جو جدا ہو جائے اسے بھیڑیا آسانی سے شکار کرلیتا ہے، اسی انسان کے لیے شیطان بھیڑیا ہے وہ ایسے انسان کو آسانی سے شکار کرلیتا ہے جو جماعت سے الگ ہو۔ اور اسی وجہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس بات سے ڈرایا ہے کہ وہ انتشار وافتراق کی راہ اختیار نہ کریں ورنہ شیطان تمہیں حق سے دور کر دے گا اور ضلالت و گمراہی میں داخل کر دے گا۔

جماعت کے ساتھ متحد ہونا اور اس امر کو انتہائی ضروری قرار دیتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الإِسْلاَمِ مِنْ عُنُقِهِ) ([1])

ترجمہ: جو شخص ایک بالشت مسلم جماعت سے الگ ہوا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا حلقہ اتار دیا۔

حدیث طیبہ میں آپ ﷺ نے باہم متحد و متفق رہنے کی تلقین فرمائی اور اختلاف سے بچنے کی ترغیب دلائی۔ نیز وحدت کو امت کی بقاء کا راز قرار دیا۔ اور جو شخص فتنہ و فساد کا باعث بنے گا وہ امت سے خارج تصور کیا جائے گا۔ بلکہ آپ ﷺ نے ان راستوں کو بند کیا جن سے افتراق وانتشار پیدا ہو سکتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

(مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً) ([2])

ترجمہ: جو شخص اپنے امیر میں کوئی ایسی چیز دیکھے جو ناپسندیدہ ہو تو وہ اس پر صبر کرے بیشک جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اور اسی حال میں اسے موت آگئی تو جاہلیت کی موت مرے گا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

(مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)([3])

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے امیر کی اطاعت سے نکلتا ہے اور جماعت سے الگ ہو جاتا ہے اور اسی حال میں فوت ہو جاتا ہے تو وہ گمراہی اور ضلالت کی حالت میں فوت ہوا۔

([1]) سنن ابی داؤد، کتاب السنن، باب فی الخوارج، حدیث نمبر: ۴۷۵۸، ص: ۶۷۳۔

([2]) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ ستر ون بعدی امورا تنکرونھا، حدیث نمبر: ۷۰۵۳

([3]) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظھور الفتن، ح ۴۸۸۶، ص ۸۳۰

اس حدیث میں بھی جماعت ووحدت کی افادیت اور افتراق و اختلاف کے نقصان کاذکر ہے اور فرمایاجو امت کا فرد اپنے امیر اور سربراہ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے اور جماعت سے الگ ہو جاتا ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ تو معلوم ہوا کہ ہر فرد کو چاہیے کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کرے۔

نبی کریم ﷺ نے امت کو وحدت کی لڑی میں متفق رہنے کی تلقین فرمائی اور ہر قسم کے نقصانات و منافرت سے دور رہنے کا حکم دیا تاکہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال رہے۔ اور افتراق کی بہت زیادہ مذمت فرمائی یہاں تک کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو گیا تو اس کے لئے جہنم کی وعید سنائی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(اِنَّ اللہَ لَا یُجتَمِعُ اُمَّتِی اَو اُمَّۃَ محمدٍ عَلَی ضَلَالَۃٍ وَّیَدُ اللہِ عَلَی الجَمَاعَۃِ وَمَن شَذَّ شُذَّ اِلَی النَّارِ)([1])

ترجمہ: میری امت گمراہی و ضلالت پر جمع نہیں ہو سکتی اور اللہ کا دستِ قدرت (یعنی مدد و نصرت) جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جماعت سے الگ ہو اوہ جہنم میں گر گیا۔

الغرض ان تمام فرامین سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ امت کی بقاء اتحاد و اتفاق میں تاریخ اس بات کی شاہد ہے جب تک مسلمان آپ ﷺ کے ان فرامین پر عامل رہے ہیں۔ دنیا میں انہوں نے اپنے وجود کو برقرار رکھا۔ اور جب وحدت امت اسلامیہ ختم ہوئی اور افتراق وانتشار نے جنم لیا تو یہی امت دنیا میں زوال وانحطاط کا شکار ہو گئی اور آج بھی اس کی بقاء اسی وحدت و اتفاق میں ہے جس کا درس قرآن مجید اور حدیث شریف میں اسے دیا گیا ہے۔

اتحاد امت میں صحابہ کرام کی خدمات:

صحابہ کرام علیہم الرضوان چونکہ نبی مکرم ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، انہوں نے جہاں دیگر امور میں قرآن و سنت کی تعلیم کو اپنایا وہاں اتحاد واتفاق سے متعلقہ امور کو بھی عملی جامہ پہنایا اور جہاں تک ممکن تھا افتراق و انتشار سے اعراض کیا۔

اتحاد امت میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمات:

نبی کریم ﷺ کے دنیا فانی سے جانے کے بعد جس وقت صحابہ کرام کی جماعت افتراق وانتشار کا شکار ہونے لگی اور مہاجرین و انصار کے درمیان مسئلۂ خلافت پر بحث ہونے لگی، قریب تھا کہ انصار و مہاجرین کی تلواریں آپس میں ٹکرا جائیں، ایسے نازک حالات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی فراست و دانائی سے کام لیا اور تمام منافقین جو اس وقت امت میں انتشار کے درپہ تھے سب ناکام لوٹے اور اتحاد کا یہ حسین منظر پیش کیا جو قیامت تک یاد رکھا جائے گا۔ اور اس کے چند عملی نمونے یوں ہیں۔

([2]) سنن ترمذی، ابواب الفتن، ص ۶۵۵، ح ۲۱۶۵

مرتدین کا فتنہ اور منکرین زکوٰۃ:

یہ ایسے فتنے تھے جن سے خدشہ تھا کہ عام مسلمانوں میں بھی افتراق وانتشار نہ پیدا ہو جائے لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ راسخ عزم واستقامت اس قسم کے فتنوں پر بھی قابو پالیا گیا جبکہ مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیاباں میں بغیر چرواہے کے رہ جائے مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی پرواہ نہ کی ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ مرتدوں کے سر اسلام کی عظمت کے سامنے جھک گئے۔([1])

اس طرح یہ دونوں فتنے بڑے احسن انداز میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان پر قابو لیا بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کو وحدت کا ایک منہج دیا کہ کوئی مسلیمہ کذاب رسالت اسلام کی عمارت توڑنے کی کوشش کرے گا تو اسے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے گا۔

اسی طرح تدوین قرآن کا مسئلہ بھی عہد صدیقی میں پیشِ آیا تو ایک طرف یہ کام انتہائی مشکل تھا لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے اس کام کو بروقت سر انجام دے کر امت اسلامیہ کو ایک مصحف پر جمع کر دیا۔([2])

اتحادِ امت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے۔ آپ کی حکومت جمہوری طرز پر تھی،یعنی تمام مسائل مجلس شوریٰ میں پیش کیے جاتے تھے باہمی مشورہ سے ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا۔مہاجرین و انصار کے منتخب افراد کے علاوہ اکابر اہلِ رائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل ہوتے تھے۔جب بھی کوئی مسئلہ زیرِ بحث آتا تو جملہ اراکینِ مجلس اس امر پر اپنی رائے کا اظہار کرتے اور بحث و مباحثہ کے اتفاق رائے یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کیا جاتا۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کے دور میں جو عدل و انصاف قائم ہو اس کی وجہ سے امت میں اجتماعیت ووحدت کی فضا قائم ہوئی اور تمام قسم کے علاقائی،لسانی،قبائلی،مذہبی اور گروہی تعصبات کا خاتمہ ہو گیا۔([3])

([1]) تاریخ ملت، مفتی زین العابدین سجاد، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء، ص:۱۲۲/۱

([2]) تاریخ اسلام،ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مکتبہ النھضہ المصریہ القاھرۃ،طبعہ،رابع،۱۹۵۷ء، ص:۲۰۳-۲۰۷

([3]) خلفائے راشدین، ص:۱۵۰-۱۵۱

اتحاد امت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کا کردار:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی دور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دورِ فاروقی کی طرح ہی تھی، البتہ آپ کی خلافت میں ریاست اسلامی کی حدود خاص وسیع ہو چکی تھیں۔ اور غیر عرب لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور عربی زبان کے لہجوں میں تفاوت کی بناء پر قرآن کریم کی تلاوت میں غیر عرب کا آپس میں اختلاف ظاہر ہونے لگا اور ایک واقعہ تیس ہجری میں آذر بائیجان اور باب الابواب کی فتوحات کے سلسلے میں پیش آیا جہاں مختلف بلاد اسلامیہ کی افواج دشمنان اسلام کے خلاف جنگ میں شریک تھیں جن میں اکثریت عراق کی افواج کی تھی۔ ان میں قرأتِ قرآن کے سلسلے میں اختلاف ہوا کیونکہ اہلِ مصر کا لہجہ کچھ تھا اور اہلِ عراق کا کچھ، اس طرح وہ اپنی قرأت کو درست اور دوسرے کی قرأت کو غلط سمجھنے لگے۔ یہ اختلاف کافی شدت اختیار کر گیا تھا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص تشویش ہوئی تو انہوں اکابر صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مشاورت کر کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ امت کو اس مصیبت سے نکالنے کا کوئی علاج کیجئے۔ تب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کا لکھا ہوا نسخہ منگوا کر اس کی آٹھ نقلیں کروائیں اور ایک ایک نسخہ ہر مرکزِ اسلامی کے صدر مقام تک پہنچایا اور ساتھ میں یہ ہدایت بھی کروادی کہ اسی نسخے کے مطابق تعلیم دی جائے۔ اس کے علاوہ باقی تمام نسخے تلف کر دیئے جائیں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی بدولت امت اسلامیہ میں اتحاد کی فضا پیدا ہو گئی اور قرآن کریم میں عظیم نعمت کو اختلافات سے محفوظ کیا۔([1])

اتحادِ امت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا کردار:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اصابت رائے میں ایک منفرد مقام رکھتے تھے۔ نبی کریم ﷺ اکثر امور میں آپ رضی اللہ عنہ کو بطور مشیر شریک کار بنایا کرتے تھے۔ نیز خلفائے ثلاثہ کے ادوار میں بھی آپ رضی اللہ عنہ مشیر خاص رہے ہیں۔ تینوں خلفاء آپ کی رائے کا احترام کیا کرتے تھے نیز اکثر آپ کی ہی رائے کے مطابق فیصلہ بھی کیا کرتے تھے۔

اتحاد امت میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی تعلیمات اور عمل سے اتحاد و اتفاق ہی کا درس اور عملی نمونہ جھلکتا ہے۔ افتراق و انتشار سے امت کو محفوظ رکھنے کی ہر کوشش کی۔

علاوہ ازیں ایک بہت بڑی خدمت تدوینِ حدیث کے حوالے سے جو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ

([1]) تاریخ ملت ۱:۲۶۸۔۲۶۹

کی محنت سے انجام پائی۔ جس کی بدولت احادیث کا ذخیرہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کرنے میں مدد ملی۔ نیز فتنہ وفساد اور تعصب وعناد میں بھی کمی واقع ہوئی۔ اور امت اسلامیہ میں اخوت وبھائی چارہ کی فضا قائم ہوئی۔

اتحادِ امت پر مسلم مفکرین کی آراء:

پوری دنیا پر مسلم امہ کی جو موجودہ حالت ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ نیز روز بروز امت مسلمہ جس پستی کی طرف جارہی ہے۔ مسلمانوں میں برادرانہ مساوات اور دلوں میں اتحادوہم آہنگی کے جذبے کو فروغ دینے کے سلسلے میں نماز باجماعت کی مصلحتوں پر سیرت نگار سید سلیمان ندوی رقمطراز ہیں:

"جماعت کی نماز مسلمانوں میں برادرانہ مساوات اور انسانی برابری کی درسگاہ ہے۔ یہاں امیر غریب، گورے کالے، رومی و چشتی اور عرب عجم وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ سب ایک ساتھ ایک درجہ ایک صف میں کھڑے ہو کر اللہ رب العزت کے آگے سرنگوں ہوتے ہیں۔ یہاں بادشاہ وگدا اور شریف وذلیل کی تفریق نہیں، سب ایک زمین پر ایک امام کے پیچھے ایک صف میں دوش بدوش کھڑے ہوتے ہیں اور کوئی کسی کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتا۔"([1])

برصغیر کے عظیم خطیب وادیب حضرت مولنا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

"دنیا کے تمام رشتے، عہد، مودت، خون ونسل کے بندھے ہوئے پیمان وفاومحبت ٹوٹ سکتے ہیں مگر چین کے مسلمانوں کو افریقہ کے مسلمانوں سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کر کے چرواہے سے اور ہندوستان کے ایک نو مسلم کو مکہ مکرمہ کے صحیح النسب قریشی سے جو رشتہ پیوست ویک جان کرتا ہے۔ دنیا میں کوئی طاقت نہیں جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسانوں کے دلوں کو ہمیشہ کے لیے جکڑ دیا ہے "(2)

اتحادِ امت کے فوائد وثمرات:

یہ بات ظہر من الشمس ہے کہ جس بات کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ دیں ان میں ضرور کوئی منفعت پوشیدہ ہوتی ہے، لیکن اتحاد جس کا حکم امت کو امت کے خالق ومالک اور امت کے ہادی ورہنما نے دیا ہو یقیناً اس میں امت کی بقاء ومنفعت اور فائدہ موجود ہے۔ لیکن اس کے علاوہ بھی جیسا پہلے بیان ہو چکا کہ ہمارے سامنے وہ لوگ جو اس دنیا پر ہزاروں سال حکومت کرتے رہے جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ وہ متحد ومتفق تھے۔ تعصب، فرقہ بندی اور انتشار سے پاک تھے۔ جس کی وجہ سے دنیا کی کوئی طاقت ان پر غلبہ حاصل کر سکی تھی۔ اور حال میں دنیا کے اندر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے انکار کرنے والے لوگوں نے بھی اس نکتہ کو سمجھا اور اس پر عمل کیا تو دنیا پر حکومت کرنے والے بن گئے۔

([1]) سیرت النبی، سید سلیمان ندوی، ۵/ ۲۷۵

([2]) خطبات آزاد، ابوالکلام آزاد، ارشد بک سیلرز علامہ اقبال روڈ آزاد کشمیر، بدون سنہ ص ۸

بہر حال اگر آج بھی مسلمان باہم متحد و متفق ہو جائیں تو آج بھی نصرت الٰہی ان کو حاصل ہو سکتی ہے، اور اپنا کھویا مقام دوبارہ حاسل ہو سکتا ہے۔ ہم نے جو قران وحدیث کے دلائل ذکر کیے ہیں اتحاد کی اہمیت میں اس کے پیشِ نظر چند فوائد کا تذکرہ کر دیتے ہیں۔

گمراہی وضلالت کا خاتمہ اور التزام صراط مستقیم:

جب امت کے افراد متحد و متفق ہوں گے تو گمراہی وضلالت سے محفوظ رہیں گے اور صراط مستقیم پر قائم رہیں گے جیسا کہ فرمانِ رسول مذکور ہے:

(مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً)([1])

ترجمہ: جس شخص نے امت سے مفارقت اختیار کی اور اس کی مفارقت ایک بالشت بھی ہو تو گویہ اس نے اسلام کا قلادہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

اور اس کا یہ عمل اسے گمراہی میں ڈال دے اور اگر وہ متحد و متفق ہے تو وہ اس ضلالت و گمراہی سے محفوظ ہے۔

شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ رہے گا:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو متحد و متفق رہنے کا حکم دیا جبکہ شیطان جو کہ انسان کا دشمن ہے وہ اس وحدت کو پسند نہیں کرتا اور وہ اس عمل کے لیے مکر و فریب کرتا رہتا ہے تا کہ وہ اپنے مذموم عزائم میں کامیاب ہو سکے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالیشان ذکر کیا جا چکا ہے کہ شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسا کہ بکریوں کے لیے بھیڑیا ہوتا ہے اور جیسے بھیڑیا اکیلی بکری کو آسانی سے شکار کر لیتا ہے اسی طرح شیطان بھی جماعت سے مفارقت کرنے والے کو آسانی سے اپنا شکار بنا لیتا ہے۔([2])

تعصب وعناد کا خاتمہ اور باہمی محبت ومودت کا پیدا ہونا:

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب معاشرہ میں معمولی معمولی بات پر مسلسل جنگیں ہوتیں، سالہا سال خون خرابا ہوتا اور لاتعداد لوگ ان جنگوں کی نظر ہو جاتے لیکن نبی کریم ﷺ نے ایسے بگڑے ہوئے معاشرے میں اسلامی تعلیمات کو عام کیا اور قبائلی عصبیتوں کا اختتام کیا اور ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس کی بنیاد اخوت ومحبت اور اسلامی بھائی چارے کے جذبات پر تھی۔ اور جس کی وجہ سے نفرت وعداوت انسانی زندگی سے ختم ہوئی اور باہمی مودت وہمدردی کی فضا قائم ہوئی جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا

([1]) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظهور الفتن، ح۴۷۸۶ص ۸۳۰

([2]) مسند احمد بن حنبل، ۵:۲۳۳

احسان تھا، اسی احسان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا--﴾ ([1])

ترجمہ: اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر فرمائی جبکہ تم آپس میں دشمن تھے اور اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور اس نعمت کے باعث تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔

رعب و دبدبہ:

ایک قبیلہ و قوم کے افراد متحد و متفق ہوتے ہیں تو وہ ایک طاقت بن جاتے ہیں جبکہ قوم کتنی ہی بڑی ہو اور وہ منتشر ہو تو ان کی کثرت ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے مومن بندوں کو اختلافات و انتشار سے منع کیا اور فرمایا:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ([2])

یعنی اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری وحدت قائم رہے تو اتحاد و اتفاق کو قائم رکھو اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرو اور اتحاد و اتفاق کی وجہ سے تمہیں قوت و طاقت نصیب ہو گی اور تمہارا رعب و دبدبہ دشمنوں پر چھا جائے گا۔

آج بھی مسلمان موجودہ تنزل و انحطاط سے نکل سکتے ہیں اگر ان کی صفوں میں وحدت آجائے۔ اللہ کی نصرت و تائید ان کا مقدر بن سکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہوتی ہے اور جماعت سے الگ ہو جانا اللہ کی تائید سے محرومی کا باعث ہے۔ گویہ اتحاد و اتفاق اس وقت امت مسلمہ کے لیے انتہائی ضروری ہے کیونکہ امت کی بقاء اتحاد و اتفاق کے قیام میں مضمر ہے۔

([1]) سورۃ آل عمران: ۳: ۱۰۳

([2]) سورۃ الانفال: ۸: ۴۶

فصل دوم: عمل بالشرع تورات اور قرآن مجید کی روشنی میں

شریعت کے لغوی اور اصطلاحی معنی:

لفظ شریعت کا مادہ: شر عیت، شرع سے ماخوذ ہے، اسی شراع، شرعۃ، اور شروع عربی زبان کا مصدر، جس کے لفظی معانی ہیں "گھاٹ" وہ جگہ جہاں آسانی سے پانی پینے کے لیے پہنچا جاسکے۔ نیز دریا اور سمندر کے کنارے ایسی جگہ جہاں جانور پانی پینے کے لیے آسکیں۔ دہلیز، چوکھٹ اور عادت وغیرہ۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا﴾[2]

ترجمہ: تمہیں دین کے کھلے راستے پر قائم کر دیا اسی راستے پر چلو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ شرعہ وہ راستہ ہے جسے قرآن حکیم نے بیان کر دیا اور منہاج وہ ہے جسے سنت نے بیان کر دیا ہے۔ اور شریعت کو شریعت اس لیے بھی کہتے ہیں کہ اس کی صحیح حقیقت مطلع ہونے سے سیر ابی اور طہارت حاصل ہوتی ہے اور سیر ابی سے مراد معرفتِ الٰہی کا حصول ہے۔[3]

الغرض شریعت سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے سارے احکام ان کو عملی جامہ پہنانا امت مسلمہ کے لیے ضروری ہے اور اس پر عمل ہی میں بقائے امت ہے۔ اور شریعت سے اعراض کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

شریعت محمد ﷺ کا تعلق ایمان وعقائد سے ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا اس پر ایمان لایا جائے اور ایمان کے بعد عمل کیا جائے۔ ہر وہ شخص جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر پابندی سے عمل کرے۔ اب اس کی مرضی، خواہش اور عقل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کے لیے اگر کوئی چیز سب سے اہم ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکام۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ

---

(1) کشاف اصطلاحات قانون، ساجد الرحمن صدیقی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد بدون سنہ، ص ۸۵، ۸۷

(2) سورۃ الجاثیۃ: ۴۵/ ۱۹

(3) تفسیر طبری، ۱۰: ۳۷۷

وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾[1]

ترجمہ: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم کر دیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نہ مانے وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

ابتدائی دور کے مسلمانوں نے اپنے کردار، اپنی فکر، اپنے اخلاق اور مزاج کو شریعت کے احکام کے مطابق ڈھالا اور اپنی تہذیب و تمدن کی بنیاد شریعت کے عین مطابق رکھی اور اس کی تشکیل کی، یہی وجہ تھی کہ وہ لوگ دنیا پر غالب اور حاکم بن کر رہے جبکہ اس کے برعکس آج مسلم امہ دنیا کے ہر خطہ میں ظلم وستم اور ذلت و پستی کا شکار ہے۔ جس کی بنیادی وجہ شریعت کے احکام پر عمل نہ کرنا ہے۔

امت کے زوال کے اسباب میں جن جرائم کا ذکر میں نے کیا ہے اگرچہ وہ سب کے سب امت کے شریعت سے دوری کی واضح مثالیں ہیں لیکن اس کے باوجود اختصار کے ساتھ میں ان کا ذکر کرتا ہوں چونکہ قرونِ اولیٰ میں امت کے عروج کا سبب ہی شریعت پر عمل تھا۔

آپ غور کریں کہ آج شریعت پر کتنا عمل کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے دین کی بنیاد عقیدہ توحید پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو امت کی کثیر تعداد صحیح عقیدہ سے عاری ہے۔ اور اس کے بعد اسلام کا دوسرا رکن نماز میں بھی ایک کثیر تعداد سستی اور کاہلی کا شکار ہے۔ اور جو لوگ اس فریضے کو ادا کرتے ہیں ان میں بھی بہت کم ایسے لوگ ہیں جو عین سنت کے مطابق اور خشوع و خضوع کا اہتمام کرتے ہوں۔ اسی طرح زکوٰۃ کو دیکھ لیجئے! جبکہ زکوٰۃ غریبوں کا حق ہے اور امت کے سرمایہ دار کس طرح غریبوں کا یہ حق کھا رہے ہیں اور یہ حالت امت کی روزہ اور حج جیسی بنیادی شرعی عبادتوں کی ہے۔

دینِ اسلام میں جہاں پر اوامر کا مطالبہ کیا گیا ہے وہاں منہیات سے اجتناب کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ سود کو شریعتِ اسلامی حرام قرار دیتی ہے جبکہ امت کی اکثریت ان جرائم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ آج امت کے نوجوانوں کو دیکھیں ان کے ذہنوں، دلوں، مزاجوں اور رویوں پر مغربی تہذیب کے سائے چھائے ہوئے ہیں نیز اس مغربی تہذیب نے ہماری نوجوان نسل کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ اور آج مسلمان شریعت اسلامیہ کی مخالفت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

جب ہم نے شریعت کو نظر انداز کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ہمیں نظر انداز کر دیا۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾[2]

---

(1) سورۃ الاحزاب: ۳۳/۳۵

(2) سورۃ الشوریٰ: ۴۲/۳۰

ترجمہ: تمہیں جو بھی مصیبتیں پہنچی ہیں وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت کا بدلہ ہے اور وہ تو بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔

عمل بالشرع کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

امت مسلمہ کی انفرادی یا معاشرتی فلاح و بہبود کے لیے عظیم ترین اصول یہ ہے کہ شریعت الٰہیہ کے مکمل پابند ہو جائیں، اپنے ہر عمل کو حکم الٰہی کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے تابع کر لیں، اس لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی اور تعظیم مسلمانوں کی اوّلین ذمہ داری ہے۔ ہر مسلمان کے لیے خلوت و جلوت، تنگی و آسانی ،خوشی و غمی، غرض ہر حالت میں شریعت پر عمل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾[1]

ترجمہ: کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی حکم کر دیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم نہ مانے وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔

یہ آیت کریمہ ایک بنیادی ضابطہ بیان کرتی ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے ایک منہج کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ضابطہ مسلمانوں کی عملی زندگی میں نظر آنا چاہیے۔ اس بنیادی ضابطے کے تحت حکمران اور رعایا، فرد و معاشرہ سب کی ذمہ داری بنتی ہے کہ احکامات الٰہیہ اور فرامین رسول ﷺ پر عمل پیرا رہیں، صرف عبادت میں ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں اس ضابطے کو عملی جامہ پہنائیں۔

قرآن کریم کو عمل بالشرع کی اہمیت بیان کرنے کا انداز مختلف طریقوں پر مبنی ہے ، کہیں کسی چیز کو اپنانے کی ترغیب اور کہیں بچنے کا حکم ہے اور عمل صالح کی دعوت و اہمیت لیکن ان تمام طرق سے مقصود شریعت پر عمل ہے۔

قرآن کریم میں آیات کا بہت بڑا مجموعہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کرنے کا حکم دیا اور دنیا و آخرت کی تمام تر کامیابیوں کے حصول کے لیے ایمان باللہ کے ساتھ ساتھ اعمال صالح کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ شریعت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی عمل الصالح ہے۔

عمل صالح کی لغوی تعریف:

العمل فی اللغة مأخوذ من عمل :عمل یعمل عملافھو عامل(2)

ترجمہ: عمل لغت میں عَمِلَ سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ باب عَمِلَ یَعمَلُ عملاً سے ہے اور مصدر عامل آتا ہے۔

---

(1) سورة الاحزاب:۳۶/۳۳

(2) معجم مقاییس اللغة، ۴:۱۴۵

عمل صالح کی اصطلاحی تعریف:

"ای عمل او فعل او قول یرضاہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ من عبادہ ویقوم بہ العبد بقصد التقرب بہ الی اللہ سبحانہ وتعالیٰ وقیل ھو العمل بما جاء بہ القرآن الکریم السنة المطھرة وجمیع ما یوافق شرع اللہ سبحانہ وتعالیٰ "[1]

ہر وہ عمل، فعل، قول، جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے راضی ہو اور جس کے ذریعے بندہ اپنے رب کا تقرب حاصل کرے۔ کہا گیا ہے کہ ہر وہ عمل جو قرآن وسنت سے ثابت ہو اور وہ سب جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے موافق ہو۔

عمل صالح کی مذکورہ تعریفات سے معلوم ہوا کہ شریعت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکام کا نام ہے تو ان احکام پر عمل ہی در اصل عمل الصالح ہے اور پھر امت مسلمہ کی دنیاوی اور اخروی فلاح بھی اسی میں مضمر ہے۔

خلافت فی الارض کا وعدۂ الٰہی ایمان و عمل صالح سے مقید ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[2]

ترجمہ: تم میں سے جو مومن ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ایسے ہی خلافت عطا فرمائے گا جیسے تم سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے اس دین کو مضبوط کر دے گا جس کو ان کے لیے پسند کیا اور ان کی حالتِ خوف کو امن میں تبدیل کر دے گا۔ پس وہ میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔

یعنی یہ وعدہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پہلے کے مومنوں کے لیے بھی تھا تو بعد میں آنے والے مؤمنوں کے لیے کیوں نہ ہو گا؟ بشرطیکہ ان میں مندرجہ ذیل اوصاف پائے جائیں، یعنی وہ سچے مومن ہوں، اعمال صالح بجالائیں، نظام نماز اور زکوٰۃ قائم کریں۔

خوشگوار زندگی کا حصول بھی عمل صالح میں ہے جیسا فرمانِ الٰہی ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾[3]

([1]) التفسیر المطول، ڈاکٹر محمد راتب النابلسی، مؤسسۃ النابلسی، الدرس (۲،۲۰) تاریخ: ۱۲-۰۶-۱۹۸۷

([2]) سورہ النور: ۲۴: ۵۵

([3]) سورۃ النحل: ۱۶: ۹۷

ترجمہ: جو شخص عمل صالح کرے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، لیکن باایمان ہو تو ہم اسے یقیناً نہایت بہتر زندگی عطا فرمائیں گے اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ بھی انہیں ضرور ضرور دیں گے۔

آیت کریمہ میں "حیاۃ طیبۃ" پاکیزہ زندگی دنیا و آخرت دونوں کی ہے۔ جبکہ آخرت کے تمام انعامات کے ذکر میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کو مربوط کیا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًاخَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا﴾(1)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے کام بھی اچھے کیے یقیناً ان کے لیے فردوس کے باغات کی مہمانی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے جس جگہ کو بدلنے کا کبھی بھی ان کا ارادہ نہیں ہو گا۔

مذکورہ قرآنی آیات شریعت پر عمل کی اہمیت کو وضح کرتی ہیں اور عمل صالح ہو تا ہی وہ ہے جو عمل شریعت کے مطابق ہو تو اس طرح اللہ تعالی نے دنیا و آخرت کی فلاح کے لیے ایمان اور عمل صالح کو ضروری قرار دیا ہے۔

عمل بالشرع کی اہمیت تورات کی روشنی میں:

تورات میں بھی لفظ شریعت مستعمل ہے جیسے "خدا کی شریعت"(2) اور اسی طرح اس کے لیے لفظ طریقہ بھی وارد ہوا ہے(3) اور اسی طرح تورات میں(4) شریعت کے لیے وارد ہونے والے دوسرے الفاظ جیسے دات، خوق، مصواہ، اور مشیت ہیں۔ احکام عشرہ اس کی واضح دلیل ہے کہ تورات ہیں شریعت کی اطاعت کے بارے میں بہت سے احکام وارد ہوئے ہیں درجہ بالا سطور میں جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔

شریعت کے احکام پر عمل کے بارے میں کتاب گنتی میں یوں آیا ہے:

یہ جھالر تمہارے لیے ایسی ہو کہ جب تم اسے دیکھو تو خداوند کے سب حکموں کو یاد کر کے ان پر عمل کرو اور اپنی آنکھوں کی خواہشوں کی پیروی میں زناکاری نہ کرتے پھرو جیسا کرتے آئے ہو۔(5)

اس طرح کتاب استثناء میں ہے:

سو تُو خداوند اپنے خدا سے محبت رکھنا اور اُسکی شرع اور آئین اور احکام اور فرمانوں پر سدا عمل کرنا۔(6)

---

(1) سورۃ الکھف:۱۸:۱۰۷۔۱۰۸

(2) یسعیاہ ۱:۱

(3) سموئیل دوم ۷:۱۹

(4) قاموس الکتاب ص ۵۸۴

(5) بائبل، گنتی ۱۵: ۳۹

(6) بائبل استثناء:۱: ۱۱

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

سو تُم احتیاط کر کے اُن سب آئین اور احکام پر عمل کرنا جنکو میں آج تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔([1])

کتاب استثناء میں ہی ہے:

بشر طیکہ تُو خداوند اپنے خدا کی بات مانکر اِن سب احکام پر چلنے کی احتیاط رکھے جو میں آج تجھ کو دیتا ہوں([2])

اسی طرح شرعی احکام کی پاسداری پر دنیا کی سرفرازی کی بشارت دیتے ہوئے کہا:

اور اگر تُو خداوند اپنے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اُسکے سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھ کو دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دُنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا([3])

بشر طیکہ تُو خداوند اپنے خدا کی بات کو سُنکر اُسکے احکام اور آئین کو مانے جو شریعت کی اِس کتاب میں لکھے ہیں اور اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی طرف پھرے([4])

اسی طرح تورات میں شریعت پر عمل نہ کرنے والوں کے لیے وعید بھی وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ کتاب استثناء میں ہے:

"اگر تو اس شریعت ان سب باتوں پر جو اس کتاب میں لکھی ہیں احتیاط رکھ کر اس طرح عمل نہ کرے کہ تجھ کو خداوند اپنے خدا کے جلال اور مہیب نام کا خوف ہو۔ خداوند تجھ پر عجیب آفتیں نازل کرے گا اور تیری اولاد کی آفتوں کو بڑھا کر بڑی اور دیرپا آفتیں اور سخت اور دیرپا کردے گا۔([5])

تورات یہود خود اس شریعت پر عمل کی ہی نہیں بلکے دوسروں تک دعوت پہنچانے کی بھی دعوت دیتی ہے:

تو اُس نے اُن سے کہا کہ جو باتیں میں نے تم سے آج کے دن بیان کی ہیں اُن سب سے تُم دل لگانا اور اپنے لڑکو کو حکم دینا کہ وہ احتیاط رکھ کر اِس شریعت کی سب باتوں پر عمل کریں۔([6])

مذکورہ تورات کی آیات اس بات کی واضح دلیلیں ہیں کے یہود کو شریعت کی اتباع اور اس کی نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا تو انہوں نے اسکی مخالفت کی تو اللہ تعالی کے عذاب کے مستحق ٹھرے۔

اسلاف امت اور شریعت پر عمل:

احکاماتِ الٰہیہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی تعمیل، فوری بجا آوری اور تعظیم کے سلسلے میں صحابہ کرام اور

([1]) ایضا:۱۱: ۳۲

([2]) ایضا:۵: ۱۵

([3]) ایضا:۱: ۲۸

([4]) ایضا:۱۰: ۳۰

([5]) استثناء۲۸

([6]) استثناء:۴۶:۳۲

تابعین عظام سے بہت واقعات منقول ہیں، ان میں ہمارے لیے شریعت پر پابندی اور شریعت کی مخالفت سے خبر دار رہنے کیلیے کافی نصیحت ہے۔

جہاں اللہ تعالی نے کھڑے ہونے کا حکم دیا اس امت کے سلف صالحین وہیں کھڑے ہو گئے، انہوں نے اپنے لیے اسی چیز کا انتخاب کیا جو اللہ تعالی اور شریعتِ الٰہیہ کے مطابق تھی؛ چنانچہ اس بنا پر انہوں نے دنیاوی خیر و بھلائی سمیٹی اور آخرت میں رضائے الٰہی کے مستحق ٹھہرے، اب اگر کوئی شخص یہی نتائج حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ بھی انہی کے راستے پر چلے، انہی کا طریقہ اپنائے۔

سلف صالحین کے اس منہج کی عملی تصویر کشی جاننے کیلیے ذرا یہ واقعہ بھی گوش گزار کریں، یہ واقعہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: "اللہ تعالی ابتدا میں ہجرت کرنے والی خواتین پر رحم فرمائے، جس وقت فرمانِ باری تعالی:﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ "[1] اور اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیں نازل ہوا تو انہوں نے موٹی چادریں پھاڑ کر انہیں اپنی اوڑھنیاں بنالیا﴾ [2]

اس لیے ہر مسلمان پر یہی سلیقہ اور طریقہ اپنا ضروری ہے، ایسے نہ کرے کہ وحی سے منہ موڑتے ہوئے ادھر اُدھر سے ضابطے اور دستور لے، اور اپنے اس عمل کو بوسیدہ دلائل سے مضبوط کرنے کی کوشش کرے، جو لوگ اس فاسد منہج پر عمل پیرا ہیں ان کی پیش کردہ دلیلیں انتہائی کمزور ہوتی ہے اور انسان کو بہت جلد ہی ان کے بودے پن کا احساس ہو جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے معاشروں پر کتنے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کیلیے یہ لازمی ہے کہ شریعت الٰہی کی مکمل پابندی کریں، اپنی پسند، خواہشات اور رجحانات سب کچھ اللہ تعالی کی قائم کردہ حدود کے مطابق بنائیں۔

چنانچہ اگر کسی کو دنیاوی مفاد یا جسمانی شہوت کسی کام پر ابھارے تو فوری یہ دیکھے کہ اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ صحیح شرعی منہج کے مطابق کیا یہ کام چل سکتا ہے؟ نیز اس دوران اپنے آپ کو نفسِ امّارہ سے بچائے، اس فانی اور زوال پذیر دنیا کے دھوکے میں نہ آئے؛ کیونکہ اللہ تعالی کا واضح فرمان ہے کہ:

﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ [3]

اور جو کچھ اللہ تعالی کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے، کیا تم عقل نہیں کرتے؟

---

(1) سورۃ النور:۲۴:۳۱

(2) سنن ابی داود، کتاب اللباس، باب فی قولہ تعالی ولیضربن بخمرھن۔۔، ص ۴۳۳، ح ۴۱۰۲

(3) سورۃ القصص:۲۸:۶۰

رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام نے جو منہج اپنایا اس کی وجہ سے پوری دنیا منور ہو گئ؛ کیونکہ صحابہ کرام کا منہج یہی تھا کہ وحی میں ذکر ہونے والی تعلیمات پر مکمل عمل ہو، چنانچہ جس وقت شراب کی کلّی حرمت کا حکم آیا اور اس کے آخر میں تھا کہ: ﴿فهلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾([1])

کیا تم باز آنے والے نہیں؟ چنانچہ جب یہ آیات سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھی گئیں تو انہوں نے کہا: "ہم باز آگئے، ہم باز آگئے " ([2])

اور صحابہ کرام نے شراب راستوں میں انڈیل دی بلکہ شراب کے برتن بھی توڑ دیئے اور شراب نوشی سے یکسر باز آگئے، اس طرح انہیں دونوں جہانوں میں کامیابیاں میسر آئیں۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ شریعت پر عمل قرون اولی کے عروج کے اسباب میں بڑی اہمیت رکھتا ہے اور آج بھی اگر امت مسلمہ اپنے عروج کے حصول کی تمنا رکھتی ہے تو اسے شرعی احکام پر عمل کرنا ہو گا۔

([1]) سورۃ المائدۃ:۵:۹۱

([2]) سنن ترمذی، ابوب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ النساء، ح۳۰۴۹ص۹۰۰

فصل سوم: عدل اجتماعی کی اہمیت قرآن اور تورات کی روشنی میں

عدل انسانی فطرت بھی ہے اور انسانی ساخت میں شامل بھی ہے۔ معتدل زندگی گزارنے اور امن وامان کو قائم رکھنے اور اسی طرح کسی بھی قوم کی نظریاتی و تمدنی بنیادوں کو مستحکم رکھنے کے لیے ہر سطح پر عدل انتہائی ضروری ہے۔ دنیا کا کوئی معاشرہ خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم عدل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات اور مکمل اجتماعی نظام کا نام ہے، جس میں عدل اجتماعی کو مستقل حیثیت حاصل ہے۔

یہاں تک کہ قرآن کریم نے رسولوں کی بعثت اور کتابوں کے نزول کا اصل مقصد عدل اجتماعی کے قیام کو قرار دیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾[1]

ترجمہ: یقیناً ہم نے رسولوں کو کھلی دلیلیں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل فرمایا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

اسلام انفرادی دائرے سے آگے بڑھ کر عدل اجتماعی کی تعلیم دیتا ہے اور عدل انفرادی زندگی کو متاثر کرنے کے بعد اجتماعی شکل میں تمام تر معاشی و معاشرتی پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ اسلام پہلی صدی کے آخر تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب ہو چکا تھا۔ مسلمانوں نے دنیا میں بسنے والی دوسری قوموں کو جس تیزی کے ساتھ اپنے اندر سمو لیا۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب اسلام کا عدل اجتماعی ہے۔

جہاں تک انفرادی عدل کا تعلق ہے، تو اسلام نے فرد واحد کے لیے حقوق و فرائض کا تقرر کیا ہے، اسے حلال و حرام کی تمیز کروائی اور اسے شرک، ظلم، بدعہدی و بددیانتی اور اخلاق فاسدہ کے تمام پہلوؤں سے بچنے کی تلقین کی۔ شریعت نے ایک مسلمان کو بحیثیت ایک فرد ہر چیز میں عدل کی تعلیم دی جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾[2]

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ۔ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یہ بات عیاں ہے کہ اسلام انفرادی تربیت کے نتیجے میں ایک اجتماعی ماحول فراہم کرتا ہے اور اسی طرح اسلام میں تمام

---

(1) سورۃ الحدید: ۵۷: ۲۵

(2) سورۃ المائدۃ: ۵: ۸

عبادات کا مزاج بھی اجتماعی ہے۔اور عدل اجتماعی کا تقاضا ہے کہ عدل کا عمل فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست کے تمام اداروں کے ساتھ متعلق ہو۔

غرض عدل اجتماعی کے بغیر معاشرہ میں بے چینی و بدامنی کی فضا قائم رہتی ہے اور معاشرے میں لوٹ مار عدم برداشت اور داخلی خلفشاری کی بڑی وجہ بھی عدل اجتماعی کا فقدان ہوتا ہے۔

عدل کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

عدل کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ میں خاص فرق نہیں ہے۔لغوی اعتبار سے عدل کے معنیٰ برابری اور انصاف کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی عدل کی تعریف کرتے ہیں:

"مکانات میں مساوات کا لحاظ رکھنا عدل ہے یعنی نیکی کا صلہ نیکی اور بدی کا صلہ بدی ملنا چاہیے۔"[1]

امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"العدل :الامر متوسط بین الافراط والتفریط"[2]

ترجمہ: عدل افراط و تفریط کے درمیان متوسط کام کو کہتے ہیں۔

ابن منظور لکھتے ہیں:

"انه مستقيم ،وهو ضدالجور-العدل من اسماء الله سبحانه وتعالىٰ هوالذی لا تميل به الهوى والعدل:الحكم بالحق"[3]

ترجمہ: عدل کے معنیٰ "سیدھا" کے ہیں اور یہ جور کی ضد ہے۔عدل لفظ اللہ کے ناموں میں سے ہے۔یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا۔عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔

امام عینی نے لکھا:

"عدل واجب العمل احکام کا نام ہے، عدل یہ ہے کہ حق کو تسلیم کیا جائے اور ظلم کا خاتمہ کیا جائے۔"[4]

اور ابو عبداللہ رازی عدل کے متعلق کہتے ہیں:

"لفظ عدل میں عقیدہ کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔"[5]

---

(1) مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، اہل حدیث اکادمی لاہور، ۲:۶۷۶

(2) کتاب التعریفات، امام جرجانی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۲۰۰۷ء، ص:۶۴

(3) لسان العرب ۱۱:۴۳۰

(4) عمدۃ القاری شرح البخاری، علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، ۱:۳۷۵، دار احیا التراث العربی بیروت، ۲۰۱۰

(5) دین کا متوازن تصور، ڈاکٹر محسن عثمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۹ء، ص:۱۷

اور موسوعۃ الفقھیہ کے مطابق:

"العدل خلاف الجوروهو فى اللغة القصد فى الامور،وهو عبارة عن الامر المتوسط بين طرفى الافراط والتفريط"[1]

ترجمہ: عدل ظلم کی ضد ہے۔ لغوی اعتبار سے عدل زندگی میں میانہ روی کا نام ہے۔ نیز یہ افراط و تفریط کی انتہاؤں سے بچتے ہوئے سراپا اعتدال ہے۔

بعض لوگ عدل و مساوات کا عام مفہوم لے کر غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ عدل کا معنیٰ ہر طرح پر مساوات لینا مشکل اور محال اور بعید از عقل و فراست ہے۔ بلکہ عدل کا معنیٰ جو چیز جس محل کے قابل ہو اسے اپنے محل میں استعمال کرنا عدل ہے۔ مرد کو مرد کے حقوق، عورت کو عورت کے حقوق دینا عدل ہے۔ ان دونوں میں ہر طرح کی برابری کا نام عدل نہیں ہو سکتا۔[2]

ان تمام اصطلاحات سے جو معنیٰ نکلتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے۔ یعنی رب العالمین کو اپنی خواہشات پر ترجیح دے اور اسی طرح اپنے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے درمیان عدل کرے یعنی مساوات اور ہمدردی والا سلوک کرے۔

عدل اجتماعی کا مفہوم:

علامہ وحید الزمان قاموس میں اجتماع کے معنیٰ بیان کرتے ہیں: "الاجتماع: سوشل، معاشرتی اور عمرانی"[3]

تو معلوم ہوا کہ عدل اجتماعی ایسا عدل ہے کہ جو معاشرتی اور عمرانی سطح پر کیا جائے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"عدالت اجتماعیہ درحقیقت جس چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ افراد، خاندانوں، قبیلوں، برادریوں اور قوموں میں سے ہر ایک کو مناسب آزادی حاصل ہو اور اس کے ساتھ ظلم و زیادتی کو روکنے کے لیے مختلف اجتماعی اداروں کو افراد پر اور ایک دوسرے پر اقتدار بھی حاصل ہے اور مختلف افراد و مجتمعات سے وہ خدمت بھی لی جاسکے جو اجتماعی فلاح کے لیے درکار ہے۔"[4]

سید محمود الحسن فرماتے ہیں:

"اسلام کا عدل اجتماعی دنیا کی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس کے قانون کی نگاہ میں اسلامی ریاست کا صدر اور عام شہری

---

(1) الموسوعۃ الفقھیہ، وزارۃ الاوقاف الشؤن الاسلامیہ، کویت، ۲۰۰۷ء، ص:۸

(2) ضرورۃ القرآن، پروفیسر زاہد الحسینی، تعلیم القرآن ٹرسٹ، گوجرانوالہ، ۱۹۸۹ء، ص:۴۹:۲

(3) القاموس الوحید، وحید الزمان، (مادہ ج-م-ع) ادارہ اسلامیات، انارکلی بازار لاہور بدون سنہ

(4) معاشیات اسلام، سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلیکیشنز، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ۳۷۳

برابر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کر کے عملاً اس کی توثیق فرمائی۔"[1]

غرض عدل اجتماعی کی تعریفات اپنے اپنے دائرہ کار کے مطابق اہلِ علم نے کی ہیں لیکن حق بات یہی ہے کہ عدل اجتماعی کا مفہوم زندگی کے ہر پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

عدل اجتماعی نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل:

یہ بات عیاں ہے کہ عدل اجتماعی کا تصور تاریخ میں نہیں تھا اور نبی کریم ﷺ نے دنیا کے سامنے عدل اجتماعی کا نظریہ ایسے عالم میں پیش کیا کہ جب دنیا انسانی قبائل و اقوام کے طبقات میں بٹی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے نسلی، لسانی قوموں کے بجائے ایک بین الاقوامی اور عالمگیر امت کا تصور پیش کیا ہے۔

آپ ﷺ نے بعثت کے بعد عرب کے ظالمانہ معاشرے میں عدل و انصاف کی جو فضا قائم کی اس کی نظیر دنیا بیان کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت عدل سے لبریز ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نئی اور مثالی تہذیب، نیا تمدن اور نیا معاشرہ عطا کیا۔[2]

سید سلیمان ندوی مزید لکھتے ہیں:

"یہ پیغام محمدی ﷺ ہی ہے جس نے یورپ، پچھم، اتر، دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لیے ملک و قوم اور زبان کی تخصیص نہیں۔ اس کی نگاہ میں فلسطین، ایران، ہندوستان اور عرب برابر ہے۔ ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی اور ہر طرف اس کے عدل کا نور چمکا۔ آپ ﷺ کی توجہ اور تربیت سے عرب کی بگڑی ہوئی قوم میں ایسا عظیم الشان انقلاب رونما ہوا اور دنیا نے ایسی ایسی عادل شخصیات دیکھیں جن کا عدل تاریخ میں ضرب المثل بن گیا۔"[3]

غرض آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ عدل سے خالی نہیں تھا۔ غم ہو یا خوشی ہر حال میں عدل و انصاف سے کام لیتے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی آپس میں محبت و مودت اس عدل و مساوات کی خوبصورت تصویر ہے۔ مکہ کے مہاجر مدینہ کے انصار، امیر غریب، سب بھائی بھائی بن گئے۔

عدلِ اجتماعی کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

عدل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں عدل سے متعلق بے شمار آیات بینات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کا اپنے بندوں کو حکم دیا ہے:

---

(1) ترجمان الحدیث، سید محمد الحسن، اسلامی پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۲۱

(2) اسلامی دنیا پر مسلمانوں عروج وزوال کا اثر، ص:۱۱۳

(3) اسلامی دنیا پر مسلمانوں عروج وزوال کا اثر، ص:۱۱۳

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ (1)

ترجمہ: اللہ بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بے حیائی، برائی اور ظلم وزیادتی سے روکتا ہے۔ اور تمہیں نصیحت کررہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو۔

امام ابن کثیر رقمطراز ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل وانصاف کا حکم دیتا ہے اور سلوک واحسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ نیز آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنے ظاہر وباطن کی پاکیزگی، برے کاموں اور فضول خرچی سے اجتناب کریں۔"(2)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ (3)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:

"عدل کے ساتھ فیصلے کرو، حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہورہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو"(4)

ایک مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ (5)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم عمل کرتے ہو۔

---

(1) سورۃ النحل:۱۶:۹۰

(2) تفسیر ابن کثیر، ۳:۱۲۷

(3) سورۃ النساء:۴:۵۸

(4) تفسیر ابن کثیر، ۱:۲۵۷

(5) سورۃ المائدۃ:۵:۸

علامہ سید سلیمان ندوی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"عدل و انصاف کی راہ میں ان دونوں سے بھی زیادہ ایک کھٹن منزل ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نفس کے مقابلے میں بھی عدل و انصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔"(1)

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾(2)

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہیں ئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی سے کسی طرح کا کوئی بدل قبول کیا جائے گا اور نہ مدد کئے جائیں گے۔

مذکورہ آیات سے عدل وانصاف کی اہمیت بالکل واضح ہے، اور بندۂ مومن کو زندگی کے ہر شعبے میں عدل کے قیام کی تاکید کی گئی ہے، چاہے اس عدل کا تعلق اپنی ذات سے ہو یا کسی دوسرے سے۔

نبی کائنات ﷺ نے عدل کی بہت زیادہ اہمیت بیان فرمائی۔ جیسا کہ عدل کی اہمیت کے متعلق آپ ﷺ کا فرمان ہے:

(سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ الْإِمَامُ الْعَادِلُ) (3)

ترجمہ: قیامت والے دن جب اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہو گا، سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جن میں ایک شخص عادل امام ہو گا۔

اور علامہ جلال الدین دوانی اپنی مشہور کتاب "اخلاق جلالی" میں لکھتے ہیں جس کا مفہوم یوں ہے:

حدیث مصطفی ﷺ میں ہے ایک ساعت یا ایک گھڑی کا عدل کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے کیونکہ ایک ساعت کا عدل تمام بندوں اور تمام شہروں تک پہنچتا ہے اور مدت دراز تک باقی رہتا ہے۔(4)

احادیث میں عدل وانصاف کی اہمیت وارد ہوئی ہے اور نبی کائنات ﷺ کے اقوال وافعال عدل وانصاف کی اہمیت پر روشن دلیلیں ہیں۔

تورات میں عدل کی اہمیت:

تورات کی تحریف و تبدیل پر کثیر دلائل موجود ہیں اور یہود نے تعلمات الٰہیہ کو جو انہیں تورات کی شکل

---

(1) سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، الفیصل ناشران و تاجران لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۲/ ۱۲۰

(2) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۴۸

(3) صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب من جلس فی المسجد، حدیث نمبر: ٦٦

(4) مسلمان قاضیوں کے بے لاگ عدل، سید عبد الصبور طارق، منشورات لاہور، ۱۹۹۴ء، ص: ۲۰

میں دی گئی تھیں اپنی خواہشات کے مطابق بدل دیا، اس میں تحریف و تاویل سے کام لیا۔ اور اس کی مثال اگر ہم عدل ہی کے حوالے سے دیکھیں تو ہمیں وہ آیات ملتی ہیں جو عدل کے منافی ہیں جبکہ الہامی ادیان جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور عدل کی منافی تعلیم اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو اپنے اوپر حرام دیا ہے اور عدل اللہ تعالیٰ کی صفت عظیم ہے۔

اس کی ایک مثال کا ملاحظہ کیجئے، تورات کی کتاب اخبار میں ہے:

"اور جو انسان مار ڈالے گا سو مار ڈالے گا توڑنے بدلہ توڑنا، آنکھ بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔"[1]

اسی طرح یہودی تصور عدل میں ایک اور بات کہ وہ اسرائیلی اور غیر اسرائیلی میں فرق کرتے ہیں۔ ایک ہی معاملہ جو یہودی کے ساتھ کیا جاتا ہے تو ناجائز اور اگر غیر یہود سے کیا جائے تو وہ جائز۔ مثلاً "جو قرض ایک شخص نے دوسرے کو دیا ہو وہ سات سال بعد معاف کر دیا جائے مگر پردیسی سے تو اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔"[2]

عہد نامہ عتیق اور تلمود اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان تفریق کرتی ہے۔[3]

سید ابو الاعلی مودودی بیان فرماتے ہیں:

"تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں۔ مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی جگہ کوئی گری ہوئی چیز ملی ہے تو اسے دیکھنا چاہیے کہ گردو پیش آبادی کن لوگوں کی ہے اگر اسرائیلی کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہیے۔ غیر اسرائیلیوں کی ہے تو اسے بلا اعلان وہ چیز اپنے پاس رکھ لینی چاہیے"[4]

لیکن اس کے باوجود اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ آج بھی کسی حد تک حق ان کی کتب میں موجود ہے۔ لفظ عدل کلام مقدس کے اردو ترجمہ میں تقریباً ۳۴ مرتبہ آیا ہے۔ چند مرتبہ یہ عبرانی لفظ مشپاط کا ترجمہ ہے لیکن زیادہ دفعہ یہ صدق اور صدقاہ کے لیے استعمال ہوا ہے جب عبرانی متن میں مشپاط اور صدقاہ ایک ساتھ آتے ہیں تو ان کا ترجمہ عدل و انصاف کیا گیا ہے[5]

بائبل کی متعدد آیات میں انصاف کے قیام کی دعوت دیتی ہیں جیسا کہ کتاب استثناء میں لکھا ہے:

---

(1) گنتی ۳۱: ۳

(2) ایضا ۳: ۱۵

(3) ایضا ۲۰: ۲۳

(4) تفہیم القرآن ۱: ۲۶۶

(5) قاموس الکتاب ص ۶۳۷

"اس وقت میں تمہارے قاضیوں کو یہ تاکید کی کہ تم اپنے بھائیوں کے مقدمے سنا کرو اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو خواہ وہ معاملہ کسی آدمی سے خواہ وہ اسرائیلی ہو یا کوئی پردیسی تعلق رکھتا ہو، انصاف کرتے وقت کسی کی طرفداری نہ کرنا بلکہ بڑے چھوٹے دونوں کی باتیں سننا اور کسی آدمی سے مت ڈرنا کیونکہ انصاف خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر بائبل کا بیان ہے:

"خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیئے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لیے قاضی اور حاکم مقرر کرلو جو سچائی سے لوگوں کا انصاف کریں۔ تم انصاف کا خون نہ کرنا اور غیر جانبدار رہنا، تم رشوت نہ لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کردیتی ہے اور راست باز کی باتوں کو توڑ مروڑ ڈالتی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ انصاف پر قائم رہنا تاکہ تم جیتے رہ"[2]

اللہ تعالیٰ انصاف اور انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بادشاہ ایک ذمہ دار فرد ہے اس کے منہ سے نکلے ہوئے احکام بنابر نیابتِ خداوندی احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو ملک مستحکم ہوگا ورنہ تباہی و بربادی ہوگی۔

اس ضمن میں بائبل کا بیان ہے: "بادشاہ کے لبوں سے گویا کلامِ الٰہی صادر ہوتا ہے لہذا اس کا منہ انصاف کرنے میں کوئی خطا نہ کرے۔"[3]

اور دوسرے مقام میں لکھا ہے:

"بادشاہ عدل سے ملک کو مستحکم کرتا ہے لیکن جو رشوتوں کا لالچی ہوتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے۔"[4]

ایک اور مقام پر بائبل میں یوں لکھا ہے:

"تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو، مظلوم کو اس پر ظلم کرنے والے کے ہاتھ سے چھڑاؤ، بیگانہ، یتیم اور بیوہ کے ساتھ برا سلوک نہ کرو۔"[5]

ڈاکٹر نثار احمد لکھتے ہیں:

"یہ بات الہامی تعلیمات سے واضح ہوتی ہے کہ عدل و انصاف کا قیام ہر مہذب و متمدن اسلامی معاشرے کی اوّلین ضرورت اور ہر مہذب و متمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے۔ عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہر زمانے میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اسی کو سمجھا گیا ہے۔"[6]

عدل اجتماعی کی اہمیت یہود کے دینی ادب میں بہر حال آج بھی پائی جاتی ہے اگرچہ انہوں نے اپنے اہداف و مقاصد کو

---

(1) استثناء ۱۲:۱-۱۸

(2) ایضا ۱۸:۱۲-۲۰

(3) امثال: ۱۰/۱۵

(4) امثال: ۱۱/۱۱

(5) یسعیاہ ۳:۲۲-۲

(6) عہدِ نبوی ﷺ میں ریاست کی نشو و نما، ڈاکٹر نثار احمد، نشریات اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۳۸

ہانے کی خاطر اس میں پائی جانے والی سچائی کو چھپایا لیکن اس کے باوجود ان کے دینی ادب میں عدل کی اہمیت موجود ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور عدل و انصاف:

آپ ﷺ کی زندگی کا کوئی لمحہ، کوئی پل، کوئی گوشہ عدل و انصاف سے خالی نہیں تھا۔ غم ہو یا خوشی، ہر حال میں انصاف سے کام لیتے تھے۔

عدل و انصاف کا سلسلہ ہمیشہ گھر سے شروع ہوتا ہے۔اندرونِ خانہ عدل ہے تو باہر بھی ہو گا۔ نبی کریم ﷺ کی حیات پاک کا ایک ایک گوشہ، ایک ایک پہلو روزِ روشن کی طرح ہے۔ جس میں رائی برابر بھی اونچ نیچ نہیں۔گھر ہو یا مجلس، نجی زندگی ہو منبر پر، ہر جگہ ایک ہی رنگ، ایک ہی نمونہ، قول و فعل وحیٔ الٰہی سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہیں ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا عدل وانصاف کا معاملہ معاشرتی اور نجی زندگی میں ایک جیسا نظر آتا ہے۔

آپ ﷺ نے گھر میں ہمیشہ عدل وانصاف کو ملحوظ رکھا اور گھر کی فضا کو کبھی بوجھل نہ ہونے دیا۔ حسنِ سلوک سے کسی کو کوئی شکوہ کوئی گلہ نہ تھا۔ سب کے ساتھ مساوی برتاؤ، سب کی ضروریات کا خیال برابر تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی اور رسول ہوتے ہوئے بھی سارا بوجھ ازواجِ مطہرات پر نہیں ڈالتے تھے بلکہ اندرونِ خانہ اپنے کام خود کیا کرتے تھے تاکہ گھر کے اندر بھی عدل کا نمونہ ہو۔

بچوں کے درمیان مساوات کو پسند کرتے اور تفریق وامتیاز سے منع فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

"جو دو بیٹیوں کو پال کر جوان کر دے قیامت کے روز اس کے اور میرے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہو گا جتنا کہ میرے ہاتھ کی دو انگلیوں کے درمیان فاصلہ ہے۔"[1]

معاشرتی زندگی میں عدلِ اجتماعی:

نبی کریم ﷺ کی زندگی جیسی گھر کے اندر تھی ویسی ہی باہر بھی تھی۔ وہی رنگ، وہی طریقہ، وہی سلوک، وہی اخلاق وشائستگی، مخاطب کے ساتھ کام میں عدل و انصاف کا سلوک کرتے، کسی کی بات کاٹ کر دوسرے کو جواب نہ دیتے نہ کسی کو ٹوکتے اور نہ سخت لہجہ اختیار کرتے۔

عدل وانصاف اور توازن کا اتنا خیال تھا کہ کسی کی ملاقات کے لیے جاتے تو زبردستی اندر داخل ہونے کی کوشش نہ کرتے بلکہ تین بار اجازت طلب کرتے، اگر جواب نہ ملتا تو واپس چلے جاتے اور اس پر برا بھی نہ مناتے۔ خود راستی اور انصاف سے کام لیتے نیز دوسروں کو بھی اس کی نصیحت کرتے۔

---

(1) ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی النفقۃ علی البنات، ح: ۱۹۱۳، ص ۵۸۸

انصاف کے معاملے میں دوسروں کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا جو اپنوں کے ساتھ ہوتا۔ایک یہودی بچے کی عیادت کے لیے بھی تشریف لے گئے۔منافقین کے لیڈر عبداللہ بن ابی کی بھی عیادت کی۔([1])

آپ ﷺ عدل و انصاف کی تصویر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کی کہ "دس سال تک میں آپ ﷺ کی خدمت میں رہا نہ کبھی زیادتی کی نہ کوئی سختی۔دیگر غلاموں اور لونڈیوں کو مارا نہ انتقام لیا۔سوائے اس کے کہ آپ ﷺ اللہ کے راستے میں جہاد کریں یا قانونِ الٰہی کی مقرر کردہ حرمتوں کے تحفظ کے لیے کاروائی کریں۔"([2])

معاہدہ حلف الفضول اور عدل وانصاف:

جب آپ ﷺ کی عمر مبارک ۲۴ برس کی ہوئی تو آپ ﷺ نے حرب فجار میں شرکت فرمائی۔یہ لڑائی قریش مع کنانہ اور قیس کے درمیان ہوئی۔اس لڑائی میں قریش بر سرِ حق تھے۔کیونکہ اس جنگ میں مظلوم کی حمایت اور ظالم کے خلاف جنگ کا اعلان تھا اس لیے نبی کریم ﷺ نے قریش کا ساتھ دیا۔آپ ﷺ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا بلکہ عدل و انصاف کی خاطر مظلوم کا ساتھ اور ظلم کی مخالفت کی۔([3])

آپ ﷺ نے دیگر بعض سمجھدار لوگوں کے ساتھ مل کر ملک کے راستوں کا خطرناک ہونا، مسافروں کا لٹنا، کمزوروں پر طاقتورں کا ظلم بیان کرکے ان سب کی اصلاح کی توجہ دلائی۔چنانچہ حربِ فجار سے واپسی کے ایک ماہ بعد شوال میں تمام خاندانوں میں بنوہاشم، بنوعبدالمطلب، بنواوس اور بنو تمیم شامل تھے۔ایک انجمن قائم ہوئی جو حلف الفضول کے نام سے معروف ہوئی۔اس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

1. مکہ سے بدامنی دور کی جائے گی۔
2. مسافروں کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے گا۔
3. مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی، خواہ وہ مکہ کے باشندے ہوں یا اجنبی۔
4. طاقتور کو کمزور پر ظلم کرنے سے روکا جائے گا۔

اس ضمن میں یہ طے پایا کہ خدا کی قسم! ہم سب مل کر ایک ہاتھ بن جائیں گے۔اور وہ مظلوم کے ساتھ اس وقت ظالم کے خلاف اٹھا ہوتا کہ وہ مظلوم کا حق ادا کرے۔یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک سمندر گھونگنوں کو بھگوتا رہے

([1]) سیرت سرورعالم ﷺ، ص:۱۶۱

([2]) الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، ص:۱/۲۸

([3]) الروض الانف، السہیلی، ۳۱۸۱

اور حرائے پہاڑ اپنی جگہ قائم رہیں ہماری معیت میں۔[1]

صلح حدیبیہ اور حجۃ الوداع:

انسانی تاریخ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ عدل، امن اور تحمل کا ایک زریں نمونہ ہے۔ اس میں قریشِ مکہ اور دشمنانِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ شرائط واضح ناانصافی پر مبنی تھیں لیکن آپ ﷺ نے معاشرے میں امن کے فروغ کے لیے دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے جنگ کو امن و صلح میں بدل دیا۔

اس معاہدے کے ذریعے آئندہ کے لیے یہ مثال قائم ہوگئی کہ اسلام، زبردستی اور ظلم و جبر کا قائل نہیں بلکہ برابری، عدل وانصاف اور ایثار کا مذہب ہے۔

اس طرح خطبہ حجۃ الوداع میں نبی اکرم ﷺ نے انصاف و انسانی مساوات کا درس دے کر پوری انسانیت کو بحیثیت انسان محترم قرار دیا۔

اور خطبہ حجۃ الوداع جس میں انسانی حقوق کا تحفظ کیا گیا۔ اس خطبہ میں تمام انسانوں کو برابری کی بناء پر سلوک کا مستحق قرار دیا گیا اور فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی عصبیت اور آباء کا فرق ختم کردیا ہے اب یا تو مومن متقی ہوگا یا فاجر متقی، سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم (علیہ السلام) مٹی سے تھے۔ کسی کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے ماسوائے تقویٰ کے۔"[2]

نبی کائنات ﷺ کے یہ کلمات انسانیت کی برابری، مساوات اور عدلِ اجتماعی کے عکاس ہیں۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے نبی کائنات ﷺ کی بعثت سے قبل معاشرتی ناہمواری، انسانیت پر ظلم اور ذلت ورسوائی کے مناظر ہر طرف یکساں تھے۔ ایسے میں مذہب وملت، رنگ ونسل، آبادی وعلاقہ کا لحاظ کیے بغیر انسانوں کے درمیان مساوات حقوق کا ایسا نظام پیش کرنا اور اس کو عملی طور پر لوگوں میں نافذ کرنا، آپ ﷺ کا ہی عظیم کارنامہ تھا۔ اور ایسا تاریخ انسانیت میں پہلی بار ہوا کہ تمام انسانیت کو بحیثیت برابر قرار دیا گیا۔

غیر مسلموں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا عدل وانصاف:

دینِ اسلام عدل و انصاف کے معاملے میں ایک نگاہ رکھتا ہے۔ اس میں قوم وقبیلہ، آقا وغلام، دوست و دشمن، مرد وعورت، ذات وبرادری، امیر وغریب، کالے اور گورے، نوری فرنگی، حبشی اور زنگی، اپنے پرائے، مسلم اور کافر کی قید نہیں ہے۔

یہود ونصاریٰ اسلام کے کھلے دشمن تھے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

---

(1) رسول اللہ کی سیاسی زندگی،، ڈاکٹر حمید اللہ، آصف جاوید، لاہور، ۲۰۱۳ء ص:۱۲۲

(2) سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی التفاخر بالاحساب، حدیث نمبر:۵۱۱۶

﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ ([1])ترجمہ ک آپ کہہ دیں ہر اس کتاب کا مانتاہوں جو اللہ تعالیٰ نے اتاری اور مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ملاہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

آپ ﷺ نے قرآنی احکام کا عملی نمونہ بن کر وہ معاشرہ قائم کرکے دکھایا جس پر انسانیت قیامت تک ناز کرتی رہے گی۔ انسان کے سارے دکھوں کے ارمان اور سارے مسائل کا حل اسوۂ نبوی میں ملتاہے۔ آپ ﷺ نے بتادیا کہ دینِ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جس کی آغوش عدل و انصاف صرف اپنوں پر نہیں بلکہ غیروں کے لیے بھی اسی طرح ہے۔ یہ دنیا کی تاریکیوں کو روشنی میں بدل سکتاہے۔

یہود کے ساتھ عدل وانصاف:

آپ ﷺ نے یہود کے ساتھ معاہدے میں یہود اور مسلمان کو ایک قوم قرار دیا۔ ہمارے باہم تعلقات خیر خواہی پر مبنی قرار دیا۔ اور اگر کوئی شخص مخالفانہ کاروائی کرے گا تو سب مل کر ظالم کے خلاف لڑیں گے۔

ایک بار ایک یہودی اور مسلمان کا تنازعہ ہوا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہ نہ دیکھا کہ دوسری طرف مسلمان ہے بلکہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو آپ ﷺ کے ہاں سفارش کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ [2]

آپ ﷺ نے فرمایا:

(واتَّقُوادَعوَةَ المظلُومِ،وَإن كَانَ كَافِرًافَاِنَّهُ لَيسَ دُونَهَاحِجَابٌ) ([3])

ترجمہ: مظلوم کی پکار سے بچو! کیونکہ اس کی پکار کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

عیسائیوں کے ساتھ عدل وانصاف:

یہود کی طرح عیسائیوں کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ اسی طرح طے کیا جاتا تھا۔ انسان کی حیثیت میں انہیں مسلمانوں کے برابر جگہ دی جاتی ہے۔ اہلِ نجران کے ساتھ جو معاہدہ ہوا اس میں یہ شق بھی شامل تھی کہ مسلمان جو چیزیں عاریۃً لیں گے ان میں کوئی چیز ضائع ہو جائے گی تو ادا کی جائے گی۔ اہلِ نجران کی جان ومال، مذہب، عبادت گاہ، مذہبی رہنما سب کے حقوق ادا کرنے کی ذمہ دار ہیں۔ [4]

([1]) سورۃ الشوریٰ ۴۲:۱۵

([2]) فیض القدیر شرح جامع الصغیر، محمد رؤف، الماویٰ، بیروت، ۱۹۷۲ء، ص:۱۴۷

([3]) مسند احمد، مسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حدیث نمبر:۱۲۵۴۹

([4]) عہدِ نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، ص:۱۳۶

مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر ظلم و ستم ڈھائے لیکن جواب میں آپ ﷺ نے صبر کیا۔ان کے ظلم کے بدلہ میں ظلم نہیں کیا۔اہلِ مکہ اور اہلِ طائف نے جو ظلم ڈھائے اس کے بدلہ میں آپ ﷺ نے صبر کیا اور تلوار اٹھانے سے گریز کیا۔

کفار کے ساتھ عدل و انصاف:

غیر مسلم سفیروں کا قتل آپ ﷺ نے ممنوع قرار دیا۔مسلیمہ کذاب کے دور میں سفیر آئے باوجودیکہ یہ مرتد واجب القتل تھے مگر آپ ﷺ نے فرمایا:"اگر سفیروں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں ان کی گردن اڑا دیتا۔"[1]
آپ ﷺ کی خارجہ پالیسی کے یہ اصول تھے کہ جو عہد کیا جائے اس کو پورا کیا جائے، پڑوسی پر ظلم و زیادتی نہ کی جائے۔اس سے بڑھ کر اسلام کے عدل و انصاف کی مثالیں اور کیا ہو سکتی ہیں۔

دینِ اسلام نے کفار و مشرکین کی درجہ بندی کی ہے یعنی ایک کفار اہلِ قتال دوسرے غیر اہلِ قتال یعنی غیر لڑاکا، لڑاکا کفار کے ساتھ قتال کا حکم دیا گیا لیکن غیر لڑاکا کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم دیا گیا۔ارشادِ ربانی ہے:

﴿لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ [2]

ترجمہ:اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا معاملہ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔تم ان پر احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

غزوات میں عدل:

نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ دنیا کے سامنے ہے، کہیں تشدد کا شائبہ بھی نہیں ہے۔گھر ہو یا معاشرہ، مسجد ہو یا منبر، امن کے معاملات ہوں یا جنگ کا میدان، ہر جگہ سراپا عدل ہیں۔یہی عدل و انصاف غزوات میں بھرپور آب و تاب کے ساتھ موجود ہے۔

نبی کریم ﷺ نے غزوات میں عدل و اعتدال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔حد سے تجاوز، ظلم اور بستیاں اجاڑنا مقصد نہیں تھا بلکہ اسلام کا دفاع اسلامی سرحدوں کا اور جان و مال کا تحفظ مقصد تھا۔یہی وجہ ہے کہ پہلے غزوہ سے لے کر آخری غزوہ تک مقتولین کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے۔[3]

---

(1) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۱۹/ ۲۲۱

(2) سورۃ الممتحنہ ۶۰:۸

(3) سیرت ابن ہشام ۲: ۲۳۳

اسی لیے آپ ﷺ جب کسی بھی صحابی کو سپہ سالار بنا کر بھیجتے وقت یہ نصیحت کرتے کہ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ پھلدار درخت نہ کاٹنا، نہ جلانا۔

آپ ﷺ کی جنگ خونریزی، قتل وغارت اور ظلم و تشدد کے لیے نہ ہوتی تھی بلکہ برائی، ظلم اور حد سے تجاوز کے خلاف تھی۔ اس لیے کہیں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا۔

قرآن مجید میں جبر سے مسلمان بنانے کی سخت مخالفت کی ہے کیونکہ یہ عدل کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۲۶۵ میں اس عمل سے متعلق کہا گیا ہے۔ [1]

صحابہ کرام اور عدل اجتماعی:

حضور ﷺ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صحابہ کرام نے عدل وانصاف کا حق ادا کر دیا، یہی وجہ ہے کہ تاریخِ اسلام عدل و انصاف کی اعلیٰ مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ صحابہ کرام خلیفۂ وقت ہونے کے باوجود قاضی کی عدالت میں پیش کرنے کے حوالے سے اپنے آپ کو عام رعایا کی طرح سمجھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عدل ضرب المثل بن گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو شرعی سزا دے کر عدل کا بول بالا کیا۔ [2]

ایک بار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی مقدمے کے سلسلے میں قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے، قاضی نے آپ رضی اللہ عنہ کو ابوتراب کہہ کر پکارا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم نے مجھے کینت سے کیوں پکارا جو کہ عزت کی علامت ہے؟ یہ بے انصافی ہے۔ اتنی سی بات کو آپ رضی اللہ عنہ نے عدل کے خلاف سمجھا اور قاضی کو مکمل انصاف برتنے کی نصیحت فرمائی۔ [3]

گویا صحابہ کرام علیہم الرضوان پر نبی کریم ﷺ کا عکس تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی ضابطہ اختیار فرمایا جو نبی کریم ﷺ کا تھا۔ عدالت میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کو ایک نظر سے دیکھنے کی کی ہدایت کی۔ کمزور اور طاقتور کے درمیان امتیاز ختم کر کے مساوی سلوک کا حکم دیا۔ عدلِ اجتماعی کی وہ روایت قائم کی جو آج بھی سند ہے۔ [4]

---

(1) سورۃ البقرہ ۲:۲۶۵

(2) مقالاتِ سیرت (خواتین) عدل اجتماعی کا تصور واہمیت تعلیمات نبوی کی کی روشنی میں، وزارت مذہبی امور اسلام آباد، ص:۲۰۳

(3) فتح القدیر، کمال الدین محمد ابن ہمام، دار الفکر، بیروت، بدون سنہ: ۶:۴۴۳

(4) مقالات سیرت (خواتین)، ص:۲۰۹

غرض صحابہ کرام نے بھی عدل و انصاف کے قیام کی اسی طرح کوشش کی جیسا کی نبی ﷺ کے دور میں عدل و انصاف کی فضا قائم تھی۔

امت مسلمہ اس وقت بڑی طاقتوں کا نشانہ بنی ہوئی ہے، اس وجہ سے بھی کہ اس میں عدل انصاف جیسی خوبی کا فقدان ہے۔ بڑی طاقتوں کا رویہ ظالمانہ، سفاکانہ اور غیر عادلانہ ہے۔ ان میں " جس کی لاٹھی اس کی بھینس "کا اصول رائج ہے۔ اور مسلم ممالک کے خلاف بر سرِ پیکار ہیں۔ لیکن دوسری طرف مسلمان، دوسرے مسلمان سے دست و گریباں، بھائی بھائی کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ اسی وجہ سے مسلمان ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے سامنے ندامت کا سامنا ہے۔ ان حالات میں امت مسلمہ پر لازم ہے کہ وہ مساوات اور عدلِ اجتماعی کی وہ مثالیں جو نبی کریم ﷺ نے پیش کیں انہیں جاری و ساری کرے۔

خلاصہ کلام

لفظ یہود توبہ، رجوع کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور یہود سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی نسبت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے یہودا کی طرف کرتے ہیں۔ دنیا کے موجودہ مذاہب میں یہود سب سے زیادہ قدیم ہیں۔ اس کو جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے نسبت رکھنے اعزاز بھی حاصل ہے۔ مگر ان کے فعال بد اور بد کرداری کی وجہ سے جلیل القدر انبیاء کی پاکیزہ کردار سے کوئی نسبت نہیں ہوسکتی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان کو سب سے پہلے مصر میں یوسف علیہ السلام کی قیادت میں اقتدار ملا لیکن اپنی بداعمالیوں کے باعث قبطیوں کے غلام بن گئے اور پھر طویل عرصہ کے بعد موسی علیہ السلام ان کو فرعون کی غلامی سے نکال کر سرزمین فلسطین میں داخل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ لیکن فلسطین آکر بھی ان کی فطرت نہ بدلی۔ پھر ان کو حضرت سلیمان اور داود علیہما السلام کے دور میں اقتدار ملا، اور یہ دور ان کے عروج کا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ لوگ دوبارہ ان میں سابقہ برائیاں آگئی اور اس طرح ذلت ورسوائی ان کا مقدر بنی۔، لیکن بعثت نبوی ﷺ کے بعد جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان کا مدینہ سے بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے بعد ان کو ایک طویل عرصہ سر اٹھانے کا موقع نہیں ملا۔

امت مسلمہ کی تاریخ نبی ﷺ کی پیدائش سے وصال تک دو ادور پر مشتمل ہے جسے مکی دور اور مدنی دور کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے مکہ میں 13 سال دعوت دی اور 10 سال مدینہ میں مدینہ میں کفار اور مسلمانوں کے درمیان غزوہ بدر، احد اور غزوہ خندک جیسے بڑے معرکے ہوئے۔ 8 ہجری کو مکہ فتح ہوا اور بہت جلد اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچ گیا۔ 10 ہجری میں نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کے ساتھ حج کیا اور اور اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد اس دنیا فانی سے رخصت ہوگئے۔ آپ ﷺ کے بعد خلافت راشدہ کا دور ایک سنہری دور تھا جس میں دین اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچ گیا۔

دنیا عالم میں مذاہب کی دو قسمیں ہیں، الہامی مذاہب اور غیر الہامی مذاہب۔ الہامی مذاہب میں یہودیت ،عیسایت اور اسلام ہیں۔ یہودیت: یہودیت توحیدی اور ابراہیمی ادیان میں سے ایک دین ہے اور یہودیت کی الہامی کتاب تورات ہے جسے عہد نامہ قدیم کہا جاتا ہے۔ تورات نہ صرف یہودیت میں اہمیت کی حامل ہے بلکہ مسحیت اور اسلام میں بھی آسمانی کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اصطلاح میں تورات پانچ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ یہ یہود کی الہامی کتاب ہے جو عبرانی زبان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ۔ اور یہود کے ہاں پانچ کتابوں کا مجموعہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا۔ اور وہ پانچ کتابیں یہ ہیں:۔ کتاب پیدائش ، کتاب خروج، کتاب الاخبار، کتاب گنتی،۔ کتاب الاستثناء۔

قرآن کریم اسلامی تعلیمات کا پہلا ماخذ ہے جو کہ قیامت تک مسلمانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے۔ قرآن کریم کی پہلی آیت غار حرا میں اتری اور آخری حجۃ الوداع کے موقع پر۔ آج قرآن ٹھیک اسی شکل میں موجود ہے جس طرح نبی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ اگرچہ اس وقت قرآن کریم کتابی شکل میں نہیں تھا لیکن سورتوں کی ترتیب یہ ہی تھی۔ آپ علیہ السلام کی زندگی میں بہت سارے لوگ اس کے حافظ تھے۔ قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لیا ہے۔

قرآن و سنت اور تورات میں یہود کے اسباب عروج ملتے ہیں۔ جیسا کہ ان کو کتاب عطا ہونا، حکومت عطا ہونا، نبوت عطا ہونا، علم اور علم کی حفاظت، جہاد فی سبیل اللہ، عقیدہ توحید، اقوام عالم پر فضیلت، فتوحات، انعمات الہی وغیرہ۔

اور اس طرح امت مسلمہ کے عروج اور عروج کے اسباب کا ذکر قرآن و سنت میں موجود ہے۔ جیسا کہ نظریہ حیات سے وابستگی، عقیدہ توحید، نبوت، دائمی غلبہ دین ، قران کرین سے مضبوط تعلق، اطاعت رسول اکرم ﷺ، جہاد فی سبیل اللہ ، عدل و انصاف، اعلی اخلاق، امر بالمعروف نہی عن المنکر، دنیا کی زندگی کے بارے میں صحیح طرز عملتو جس طرح ان کو اللہ تعالی نے عروج عطا فرمایا اور اس کے کچھ اسباب ہیں تو اسی طرح ان زوال کے بھی اسباب ہیں ۔ یہود کے اسباب زوال میں اعتقادی پسماندگی، عقیدہ میں شرک کا در آنا، قتل انبیاء اور انکی نافرمانی، جہاد سے اعراض، احکام الہی کی نافرمانی، شریعت الہی میں دخل اندازی، تفرقہ بازی، امر نہی کے فرائض سے انحراف، حرص دنیا کا غلبہ، شرعی ضوابط میں دخل اندازی۔ خواہشات نفس کی پیروی، اخلاقی پسماندگی، عہد شکنی، دوکہ دھی، منافقت، دین کا مذاق اڑانا، ظلم کرنا، سودی لین دین، تکبر کرنا، حسد کرنا، انعامات الہی کی ناشکری، وغیرہ ان کے زوال کے بڑے اسباب میں سے ہیں۔

امت مسلمہ کے انحطاط کے اسباب میں اعتقادی پسماندگی، شرک، قرآن مجید سے دوری، امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے فریضے سے انحراف، حرص دنیا اور موت سے نفرت، باہمی قتال و جدال، اتحاد و اتفاق کا فقدان اور فرقہ واریت، ترک جہاد۔ پیغمبر کی مخالفت، علمی پسماندگی، اخلاقی پسماندگی، وغیرہ بڑے وجوہات میں سے ہیں۔

امت مسلمہ کے لیے اس انحطاط سے نکلنے کا واحد حل یہ ہے اتحاد و اتفاق کو لائیں اور شریعت پر عمل کریں اور معاشرے میں عدل و انصاف کو عام کریں اس میں امت کی بقا ہے اور یہی وہ اہم اصول ہیں جو امت کے لیے عروج کا باعث ہیں۔

نتائج:

1۔ دنیا کے موجودہ مذاہب میں یہودیت سب سے زیادہ قدیم ہے۔ جن کی طرف بہت سے انبیاء کی بعثت ہوئی ہے اور جن پر اللہ تعالی نے بہت زیادہ انعام کیے؛ لیکن اللہ تعالی اور اس کے رسولوں کی مسلسل نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالی نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا۔

2۔ امت مسلمہ جسے آخری امت اور امت محمدیہ کے القاب سے نوازا گیا جسکا آغاز اس وقت ہوا کہ جب محمد ﷺ جو اس امت کی طرف بھیجے جانے والے آخری نبی اور رسول کو نبوت سے نوازا گیا اور امت کی ہدایت کے لیے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر کو قرآن کریم جیسی عظیم کتاب سے نوزا جس میں امت کی دنیا اور آخرت کی تمام کامیابیوں کے راز مضمر ہیں۔

3۔ عروج کسی قوم کا سیاسی، تنظیمی، اور دفاعی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی طور پر ایسی بلندی حاصل کرنا کہ اقوام عالم کی نظریں ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔

4۔ یہود کو تاریخ میں جو عروج عطا کیا گیا اس کے جو بنیادی اسباب ہمیں معلوم ہوتے ہیں ان میں کتاب (یعنی تورات) ان کو عطا کی گئی جو کہ رشد و ہدایت کا سرچشمہ تھی۔ اور نبوت جو کتاب کی تعلیم کی تفہیم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اور اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ اور اس کی بدولت فتوحات وہ بھی انکے عروج کا سبب ہیں اور پھر اللہ تعالی کی بے شمار نعمتیں ہیں۔

5۔ امت مسلمہ کے عروج کے بنیادی اسباب میں نبی کریم ﷺ کی کی بعثت یعنی نبوت، کتاب الہی جس میں امت کی دنیا اورآخرت کی کی فلاح کا سامان موجود ہے۔ اور اس طرح عقیدہ توحید، اطاعت رسول ﷺ، اعلی اخلاق اور عدل انصاف جیسے عظیم اعمال ہیں۔

6۔ زوال کسی قوم کا سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی اعتبار سے کمزور ہونا زوال کہلاتا ہے، اور زوال سے ہر گز یہ مراد نہیں ہوتا کے کوئی قوم سیاسی، معاشی، معاشرتی، اخلاقی، اور روحانی تمام جہات سے کمزور ہو چکی ہے بلکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

7۔ یہود شرک، انبیاء کی مخالفت، احکام الہی سے انحراف، جہاد سے اعراض، فرقہ واریت، اخلاقی پسماندگی، ظلم وجبر، اور انعامات الہی کی ناشکری جیسے جرائم کے ارتکاب کی وجہ سے زوال کا شکار ہوئے۔

8۔ امت مسلمہ شرک، قرآن مجید سے دوری، باہمی جنگ و جدال، فرقہ واریت، ترک جہاد، پیغمبر کی مخالفت، اور علمی اور اخلاقی پسماندگی جیسے جرائم کی وجہ سے انحطاط کا شکار ہوئی۔

9۔ اسباب عروج میں مماثلت میں بنیادی اسباب جو یہود اور امت مسلمہ کے عروج پر دلالت کرتے ہیں اللہ تعالی اس کے انبیاء اور نازل کردہ کتب پر ایمان اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

10۔ اور اسباب زوال میں مماثلت کی بنیاد یہود اور امت مسلمہ کا اللہ تعالی اس کے انبیاے کرام اور نازل کردہ کتب اور ان کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا ہے۔

11۔ امت مسلمہ کو انحطاط سے نکالنے کے لیے اتحاد و اتفاق، شریعت پر عمل اور عدل و انصاف بنیادی اعمال ہیں ۔

سفارشات:

1۔ علوم اسلامیہ میں ایسے موضوعات پر تحقیق کو عام کیا جائے جن سے عروج وزوال کے بنیادی اسباب کو سمجھنا ممکن ہو سکے جس میں خاص طور پر اقوام عالم میں عروج زوال کے اسباب کیا ہیں۔

2۔ عروج و زوال پر یونیورسٹیز میں مراکز تحقیق قائم کئے جائیں جن میں ملکی اور بین الاقوامی حالات کے تناظر میں عروج کی طرف گامزن ہونے اور زوال سے نمٹنے کے لیے لائے عمل وضع کیا جائے ایسے مراکز کا حکومت کی پالیسی ساز اداروں سے رابطہ ہو۔

3۔ امت مسلمہ کے موجودہ حالات کے پیش نظر محققین کو چاہیے کے وہ ایسے موضوعات کا انتخاب کریں جن سے امت کی دینی اور دینوی دونوں اعتبار سے رہنمائی کی جاسکے۔

4۔ اور اس وقت امت مسلمہ کے لیے اس انحطاط سے نکالنے کے لیے افتراق وانتشار کی جگہ اتحاد و اتفاق کے لیے کوشش کی جائے، اور احکام الہی کی نافرمانی کی بجائے شریعت پر عمل کے لیے علماء کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے اور ظلم و ناانصافی سے معاشرے کو پاک کر معاشرے میں عدل و انصاف کو عام کرنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اقدام ہونے چاہیں ۔

5۔ مختلف جامعات میں مطالعہ ادیان ومذاھب پر مراکز قائم کیے جائیں۔

6۔ تقابل ادیان کے مضمون کو پی ایچ ڈی لیول تک پڑھایا جائے، اور اور طالبعلموں کو اس میں تحقیق کے زیادہ مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ بین المذاھب ہم آہنگی میں مثبت اقدامات کیے جاسکیں۔

7۔ پاکستان جیسے ملک میں عدالتی نظام مثالی بنایا جایا تاکہ فوری اور سستا انصاف یقینی بنایا جاسکے۔

فہرست آیات قرآن مجید

آیت	سورت	آیت نمبر	صفحہ
يَبَنِي اِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيكُمْ	سورۃالبقرۃ	47	72،66،101
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا		48	169
وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ		49	69،130
وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُم		51	70،113
فَتُوبُوا إِلَى بَارِئِكُم		54	2
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ		55	116
وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى		57	70،131
وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ		58	75،183،121
فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا		59	115
وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ		60	70
وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي		72	108،69
وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ		76	107
فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ		79	30
وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً		80	97
أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ		85	102
أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ		87	111،108
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ		87	99
وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا		92	144،104
أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ		100	107
وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ		109	112
وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ		120	106
إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ		131	16

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ		195	127
سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ		211	113
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا		216	138
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَ		248	74
وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَآ افْرِغْ عَلَيْنَا		250	65
الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ		268	132
آیت	**آل عمران**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ		21	99
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ		23	102
وَتُعِزُّ مَن تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ		26	65
اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ		45	50
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ		89	49
وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً		103	155
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا		103	144،125
كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ		110	86،122
وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ		139	151،89،76
سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا		151	119
قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّی رَسُولُ اللهِ		158	82
لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ		164	89،93،78
آیت	**النساء**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ		13	123
مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ		46	4
أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ		51	97
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا		58	168،148
وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ ا		115	129

فَبِظُلْمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ		160	110
آیت	المائدة	آیت نمبر	صفحہ
الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِ		3	22
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ		8	164
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ		13	107
يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ		16	16
وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ		20	137،62،61
يَاقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي		21	100،75
قَالُوا يَامُوسَى إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا		24	9
وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ		27	102
إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ		33	133
إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ		44	61،27
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا		57	108
وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا		57	108
كلماأَوْقَدُوا نَارًا لِّلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ		64	110
وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ		66	101
قُلْ يا اَهلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوْا		68	102
لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ		79	140،106
تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ		80	109
وَاَطِيعُوا اللهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَاِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا		92	81
آیت	الانعام	آیت نمبر	صفحہ
وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً		73	36
وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَى وَعِيسَى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ		85	48
أُولَئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ		89	45
وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ		146	111

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ		153	145
إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ		159	125،145،
آیت	**الاعراف**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِه فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ		59	65
يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ		59	144
وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ		137	77
وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ		138	73, 96
انا هدنا اليك----		156	2
فالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا		157	129
قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّى رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيكُمْ		158	78
آیت	**الانفال**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنتَ فِيهِمْ		33	90
وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا		46	124،155
هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ وَأَلَّفَ		62	144
آیت	**التوبۃ**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا		38	127
الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ		79	131
آیت	**یونس**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَى قَوْمٍ يَعْكُفُونَ		90	114
وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ		93	114
آیت	**یوسف**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ		3	40
وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ		45	14
آیت	**ابراھیم**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
لئِن شَكَرتُم لَاَزِيدَنَّكم		7	113

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ		39	38
آیت	**الحجر**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ		9	33،79
آیت	**النحل**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ		36	77
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى		90	168
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى		97	159
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً		120	16
آیت	**بنی اسرائیل**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ		4	106،110،
وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً		32	132
آیت	**الکهف**	**/آیت نمبر**	**صفحہ**
وَ يَسْئَلُونَکَ عَن ذِی الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوا		84	68
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْ		107	160
آیت	**مریم**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَى		7	49
آیت	**الانبیاء**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً		72	39
آیت	**الحج**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ		41	87
وَ جٰهِدُوا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِه		78	82
آیت	**النور**	**آیت**	**صفحہ**
وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ		31	162
وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ وَ يَخْشَ اللّٰه		52	81
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا		54	82

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ		55	159،118
آیت	**النمل**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَلَقَدْ اٰتَيَا دَاود وَسُلَيمٰنَ عِلْمًا		14	63
وَوَرِثَ سُلَيمٰنُ دَاوٗدَوَقَالَ يٰاَيُّهَاالنَّاسُ عُلِّمْنَامَنطِقَ الطَّيرِوَا		16	63
وَ حُشِرَ لِسُلَيمٰنَ جُنُودُهُ مِنَ الجِنِّ وَالْاِنسِ وَالطَّيرِ		22	66
قَالَ الَّذِى عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيکَ بِهٖ قَبْلَ اَن		40	64
قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الجِنِّ اَنَا اٰتِيکَ بِهٖ قَبْلَ اَن تَقُومَ		39	64
آیت	**القصص**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ		5	73
وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُون		60	162
آیت	**الاحزاب**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا		33	157
وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا		58	132،179
آیت	**الصٰفٰت**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ		100	38
فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ		101	38
آیت	**ص**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا		29	120
آیت	**الزمر**	**آیت نمبر**	
قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِين		9	130
آیت	**الشوری**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي		13	144
وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ		15	175
وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ		42	157
آیت	**الزخرف**	**آیت نمبر**	**صفحہ**

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَى أُمَّةٍ		22	14
آیت	**الجاثیہ**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَلَقَدْ اٰتَینَا بَنِی اِسْرٰئِیلَ الْکِتٰبَ وَ الْحُکْمَ وَ النُّبُوَّۃَ		16	61
ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ		19	156
آیت	**محمد**	**آیت نمبر**	**سفحہ**
أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ		24	120
آیت	**الحدید**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ		25	120
لقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ		25	164
آیت	**الحشر**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
يؤثرون على انفسهم ولوكان بهم خصاصة		9	81
آیت	**الصف**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ كَبُرَ		2	132
آیت	**الملک**	**آیت نمبر**	
الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُم		2	87
آیت	**العصر**	**آیت نمبر**	**صفحہ**
وَالْعصر إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا		1-3	139

فہرست آیات تورات:

آیت	کتاب	صفحہ
اس وقت میں تمہارے قاضیوں کو یہ تاکید کی کہ تم اپنے بھائیوں کے	استثناء۱۸	171
اگر تو اس شریعت ان سب باتوں پر جو اس کتاب میں لکھی ہیں احتیاط رکھ	ایضا۲۸	161
امن کے لیے کام کرو، امن کی کوششوں میں لگے رہو جب تک اسے پانہ لو	ایضا۳۴	146
اور جو انسان مارڈالے گا سو مارڈالے گا توڑنے بدلہ توڑنا، آنکھ بدلے آنکھ	گنتی ۳۱ :۳	170
اور اگر تُو خداوند اپنے خدا کی بات کو جانفشانی سے مان کر اُسکے سب حکموں پر	ایضا:۱: ۲۸	161
اے یروشلم توں نبیوں کو قتل کرتی ہے جو تیرے پاس پہنچے	ایضا:۲۳:۲۹	99
بادشاہ کے لبوں سے گویا کلامِ الٰہی صادر ہوتا ہے لہذا اس کا منہ انصاف کرنے	امثال:۱۰/ ۱۵	171
بادشاہ عدل سے ملک کو مستحکم کرتا ہے لیکن جو رشوتوں کا لالچی ہوتا ہے	امثال:۱۱/ ۱۱	171
بشرطیکہ تُو خداوند اپنے خدا کی بات مانکر اِن سب احکام پر چلنے کی احتیاط رکھے	ایضا:۵: ۱۵	161
پاک اور فرماں بردار رہو۔ لوگ جو امن سے محبت کرتے ہیں ان کی نسل	زبور،۳۷:۳۷	146
تم خدا کا کلام سنو! خداوند فرماتا ہے کہ انصاف اور راست بازی کے کام کرو	یسعیاہ۳:۲۲	171
تم خداوند کا خوف رکھو اور اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اسکی پرستش	یشوع22: 12	97
تو اُس نے اُن سے کہا کہ جو باتیں میں نے تم سے آج کے دن بیان کی ہیں اُن	استثناء:۴۶:۳۲	172
تو اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا خواہ روپے کا سود ہو یا اناج کا تا	استثناء:۲۳:۱۷	110
جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو اسے صلح	استثناء:۱۰: ۲۰	147
جو امن و امان کے لیے کام کرتے ہیں، خوشی پائیں گے	امثال:۱۲: ۲۰	146
خداوند تمہارے خدا کے تمہیں دیئے ہوئے ہر شہر میں اپنے ہر قبیلے کے لیے	ایضا:۲۰:۱۸	171
سو تُو خداوند اپنے خدا سے محبت رکھنا اور اُسکی شرع اور آئین اور احکام	استثناء:۱: ۱۱	160
سو تُم احتیاط کر کے اُن سب آئین اور احکام پر عمل کرنا جنکو میں آج تمہارے	ایضا:۱۱: ۳۲	161
کسی کو نبوت کے منصب پر فائض کرنا خدا کا	خروج۳: ا۔۴	62
وہ بات جو یسعیاہ بن آموص نے یہوداہ اور یروشلم کے حق میں رویامی	گنتی۱۵: ۳۹	156
یہ جھالر تمہارے لیے ایسی ہو کہ جب تم اسے دیکھو تو خداوند کے سب حکموں	ایضا۱۵:۳۹	160

فہرست احادیث

فہرست احادیث	کتاب	حدیث نمبر	صفحہ
أَحَبُّ الصَّلاَةِ إِلَى اللَّهِ صَلاَةُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ	صحیح بخاری	1131	46
اِذَا عَاهَدَ غَدَر	=	34	132
أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا	=	34	131
اِفتَرَقَتِ اليَهُودُ عَلٰى اِحدى وَسَبعِينَ	ابن ماجہ	3992	125
أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟"قَالُوا:بَلَا	سنن ترمذی	1901	118
اِنَّ اللهَ يَرفَعُ بِهٰذَا الكِتَابِ اَقوَاماً	صحیح مسلم	1898	80،120
اِنَّ اللهَ لَا يُجتَمِعُ أُمَّتِى اَو أُمَّةَ محمدٍ عَلَى ضَلَالَةٍ	سنن ترمذی	2165	150
إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم	کنز العمال	102	148
إنما مثلي ومثل الناس كمثل رجل استوقد	صحیح مسلم	5955	79
انماكان اهلكوا من قبلكم	=	4410	84،141
أنه أَوْصَى عِند موت اذا مُتُّ فَخَرَجْتُمْ بِي	مسند احمد		3
سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمْ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ	صحیح بخاری	66	169
فَوَاللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخشَى	=	6325	123،141
كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ	=	1385	4
الْكَمْأَةُ مِنْ الْمَنِّ وَمَاؤُهَا	=	4478	72
لَا تَرجِعُوا بَعدِ ى كُفَّارًا	=	223	124
لَا تَجتَمِعَانِ فِى قَلبِ عَبدٍ	سنن نسائی	3111	133
لاَ تَحَاسَدُوا وَلاَ تَبَاغَضُوا	صحیح مسلم	6530	133
لَتَتْبَعُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ	صحیح مسلم	6781	140
لَئِن تَرَكتُمُ الجِهَادَ وَاَخَذتُم بِاِذنَابِ البَقَر	سنن ابوداود	3462	126
ما اكل احد طعاما قط خير من ان يا كل من	صحیح البخاری	2072	46
مَا ذِئبَانِ جَائِعَانِ أُرسِلَا فِى غَنَم بَافسَدَلَهَا	سنن ترمذی	2376	122

مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ	صحیح مسلم	6586	148
من حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ	صحیح بخاری	7070	123
مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًايَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْعَلَيْهِ فَإِنَّهُ	=	7053	149
مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ	صحیح مسلم	4786	149،154
مَن غَشَّنَا فَلَيس	=	101	132
مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ	سنن ابی داود	4785	149
الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ	صحیح مسلم	1862	119
المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده...	صحیح البخاری	10	18
اَلمؤمِنُ لِلمُؤمِنِ كَالبُنيَانِ يَشُدُّ بَعضُهُ بَعضًا	سنن ترمذی	1928	148
وَالَّذِي نَفسِي بِيَدِهِ لَتَأمُرَنَّ بِالمعرُوفِ وَلَتنهَوُنَّ	=	2169	121
واتَّقُوادَعوَةَ المظلُومِ،وَإِن كَانَ	مسند احمد	12549	175
يوشِكُ الأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى	سنن ابو داود	4297	122

فہرست اصطلاحات

نمبر شمار	اصطلاحات	صفحہ نمبر
1	اتحاد	143
2	اسلام	15
3	امت	14
4	تورات	26
5	جہاد	82
6	زوال	94
7	سلوی	72
8	شریعت	156
9	عدل	164
10	عروج	60
11	عقیدہ	95
12	قران	32
13	من	71

فہرست اماکن

نام	صفحہ
ایلہ	11
تبوک	11
تیمار	11
حبرون	11
کنعان	20
مقنا	20
میسوپوٹیمیا(موجودہ عراق)	6

فہرست اعلام

نام	صفحہ
انٹیوٹکس	10
ڈیوڈ	11
رومن فاتح جنرل پومپی	10
الیسع	10

مصادر و مراجع:

القرآن الکریم

کتاب مقدس، عہد نامہ قدیم، بائبل سوسائٹی انار کلی لاہور 1943ء

کتب عربی تفاسیر:

تفسیر ابن ابی حاتم، ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن المنذر الرازی، مکتبہ نزار المصطفی الباز، مملکہ السعودیہ العربیہ، طبعہ ثالثہ، ۱۴۱۹ھ

تفسیر الرازی ابو عبد اللہ محمد عمر بن الحسین التیمی الرازی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع الثالثہ ۱۴۲۰ھ

تفسیر طبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن، محمد بن جریر الطبری، دار الاحیاء لا التراث العربی ۱۴۲۱ھ

تفسیر قرطبی الجامع لاحکام القرآن، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن ابو بکر دار الاحیاء لا التراث، بیروت ۱۴۰۵ھ

تفسیر القران العظیم، حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، دار السلام ریاض، طبع ثانیہ، 1998ء

فتح االقدیر، محمد بن علی بن محمد الشوکانی، دار العلم الکتب، ۲۰۰۳

تفسیر المنیر، امام الدکتور وھبہ الزحیلی، دار الفکر دمشق، طبع ثانیہ، 1418ھ

اردو تفاسیر:

تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی، (مولانا محمد جونا گڑھی) مکتبہ اسلامیہ ۲۰۰۹ء

تفسیر احسن البیان، حافظ صلاح الدین یوسف، دار السلام،

تیسیر القرآن، مولان عبد الرحمان کیلانی، مکتبہ دار السلام لاہور، ۱۴۳۲ھ

تفہیم القرآن، سید ابو الاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۲۰۰۰ء

ضیاء القرآن از پیر کرم شاہ، ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاھور، ۱۴۲۶ھ

معارف القرآن، مفتی محمد شفیع عثمانی، ادارہ معارف کراچی، ۲۰۰۸ء

کتب علوم القران:

انبیاء قرآن، محمد جمیل، شیخ غلام علی سنز لاہور، بدون سنہ

تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاونڈیشن لاہور دار الاشاعت کراچی، بدون سنہ

عظمۃ القرآن الکریم، محمود بن احمد بن صالح الدوسری، دار ابن الجوزی طبع اولی، 1426ھ

علوم القرآن، مفتی تقی عثمانی، دار العلوم کراچی، ۱۴۱۵ھ

قصص القرآن، حفیظ احمد سیوہاروی، الفیصل ناشران و تاجر کتب لاہور، ۲۰۰۴ء

کتب احادیث:

السنة، عمرو بن أبي عاصم الضحاک الشیباني، المکتب الإسلامي، بیروت، طبعة، اولیٰ ۱۴۰۰ھ

سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی، دار السلام ریاض، بدون طبع، ۱۴۳۰ھ

سنن ابی داود، امام ابی داود مکتبہ المعارف للنشر التوزیع الریاض، طبع ثانیہ، ۲۰۰۷ء

سنن ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی الترمذی، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض ۱۴۳۰ھ

سنن نسائی، ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی، دار السلام للنشر والتوزیع الریاض، ۱۴۳۰ھ

سلسلة الاحادیث الصحیحة، ناصر الدین البانی، مکتبہ المعارف نشر والتوزیع ۱۹۹۵ء

صحیح البخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، بخاری، دار السلام ریاض، طبع، ثانیہ ۲۰۰۸ء

صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری، دار السلام ریاض، طبع ثانیہ، ۱۴۲۱ھ

کتاب غریب الحدیث للقاسم بن سلام، ابو عبید قاسم بن سلام، دائرہ معارف عثمانیہ حیدر آباد دکن، ط اولی۔1384ھ

المعجم الکبیر للطبرانی، ابو القاسم سلیمان الطبرانی، مکتبہ ابن تیمیہ القاھرہ، طبع اولی، 1415ھ

الموطا، مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحي المدني، مؤسسة زاید بن سلطان، أبو ظبي-الإمارات

الطبعة: الأولی، 1425 ھ - 2004 ء

مسند احمد، أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ھلال بن أسد الشیباني، موئسسة الرسالہ، طبع اولی، ۱۴۲۱ھ

مصنف عبد الرزاق، ابو بکر عبد الرزاق، مکتب الاسلامی، بیروت، طبعہ، ثانی، ۱۴۰۳ھ

مجمع الزواہد ومنبع الفواہد از حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الجیشی، اشر دار الکتاب العربیہ، ۱۹۸۶ھ

کتب شروح الحدیث:

تحفة الاحوذی بشرح جامع الترمذی، محمد عبد الرحمن بن عبد الرحیم المبارکفوري أبو العلا، دار الکتب العلمیة، بیروت 2010ء

عمدة القاری شرح البخاری، علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی، دار احیا التراث العربی، ۲۰۱۰ء

فیض القدیر شرح جامع الصغیر، محمد رؤف، المناویٰ، بیروت، ۱۹۷۲ء

فتح الباري، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، دار السلام ریاض، طبع اولی، ۱۴۲۱ھ

فقہ واصول الفقہ:

المبسوط، للسرخسی شمس الدین، دار المعرفة-بیروت، ۱۴۰۹ ھ

الموسوعة الفقھیة، وزارة الاوقاف الشؤن الاسلامیہ، کویت، ۲۰۰۷ء

کتب تاریخ:

تاریخ ابو الفداء ابو الفداء اسماعیل بن علی بن محمود، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۹۴ء

تاریخ ابن خلدون، عبد الرحمان ابن خلدون، (حکیم احمد حسین آلہ آبادی) نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء

تاریخ اسلام، ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن، مکتبہ النھضۃ المصریۃ القاھرۃ، طبعہ، رابع، ۱۹۵۷ء

تاریخ اسلام، رشید احمد قاسمی، قریشی پبلیشرز لاہور، بدون سنہ

تاریخ ارض قرآن، ابو الحسن ندوی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول، ۱۹۷۵ء

تاریخ اسلام، الازہری، قاضی مجیب الرحمان، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، بدون سنہ

تاریخ مسعودی مروج الذھب ومعاون الجواھر، ابو حسن علی بن حسین، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۶۵ء

تاریخ ملت، مفتی زین العابدین سجاد، الکریم مارکیٹ، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء

کتب سیرت:

اطلس القرآن، شوقی ابو الخلیل، دار السلام لاہور، بدون سنہ

البدایۃ والنھایۃ، ابن کثیر، مترجم ابو طلحہ محمد اصغر، دار الاشاعت کراچی، ۲۰۰۸ء

تذکرۃ الانبیاء، امیر علی خان، اسلامی کتب خانہ، فضل مارکیٹ لاہور، بدون سنہ

خلفائے راشدین، شاہ معین الدین ندوی، ادارہ اسلامیات، لاہور کراچی ۱۹۸۷ء

الروض الانف، فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، امام ابو قاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ احمد بن ابو الحسن، دار العلمیۃ بیروت، طبع ثالث، بدون سنہ

الرحیق المختوم، صفی الرحمن مبارکپوری، المکتبہ السلفیہ لاہور 1995ء

رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصورپوری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۲۰۰۰ء

زاد المعاد، ابو عبد اللہ شمس الدین ابن قیم، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۹۰ء

سیرت ابن ہشام، عبد الملک ابن ھشام الحمیری، مترجم، نفیس اکیڈیمی کراچی، ۲۰۰۰ء

سیر اعلام النبلاء، شمس الدین احمد بن عثمان الذھبی، موئسسہ الرسالہ، بیرت، طبع اولی، ۱۴۰۹ھ

سیرت النبی، شبلی نعمانی، المیزان ناشران وتاجران، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء

سیرت النبی ﷺ، سید سلیمان ندوی، الفیصل ناشران وتاجران لاہور، ۲۰۰۱ء

سیرت سرور عالم، سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۷۸ء

ضرورۃ القرآن، پروفیسر زاہد الحسینی، تعلیم القرآن ٹرسٹ، گوجرانوالہ، ۱۹۸۹ء

کتب عربی لغات:

تاج العروس من جواھر القاموس، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، دار الھدایہ،2010ء

الصحاح، اسماعیل بن حماد الجوھری، دار العلم الملایین، ط ثانی،1399ھ

فیروز اللغات (اردو جامع)، الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز سنز لیمیٹڈ لاہور ۱۹۶۸ء

القاموس الوحید، وحید الزمان, ادارہ اسلامیات، انار کلی بازار لاہور، بدون سنہ

قائد اللغات، ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری، ایم آر برادرز ایجو کیشنل پبلیشرز، لاہور

لسان العرب، ابن منظور، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، لبنان، ۱۴۱۰ھ

المعجم الاوسط، امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی، دار الفکر، ۱۹۹۹ء

معجم مقائیس الغۃ، احمد بن فارس، دار الفکر لطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت لبنان ۱۴۱۰ھ

معجم الوسیط، کبار علماء مصر، دار احیاء التراث بیروت، ط دوم، ۱۹۹۷ء

محیط المحیط المعلم بطرس البستانی، مکتبہ لبنان بیروت، ۲۰۰۱ء

عربی کتب:

اظہار الحق، محمد رحمت اللہ بن خلیل الرحمن کیرانوی، الرئاسہ العامہ لإدارات البحوث العلمیہ والإلفتاء الدعوہ والإرشاد السعودیہ، طبع اولی، ۱۴۱۰ھ

الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، المصباح لاہور، بدون سنہ

التعریفات للجرجانی، علی بن محمد علی، دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان ۱۴۰۳ھ

الامۃ الاسلامیہ، عبد الوھاب، عصام الزیدان، بحث الجامعۃ الاسلامیۃ المدینۃ المنورۃ، طبع ۲۰۱۳ء

مباحث فی عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، ناصر بن عبد الکریم العقل، دار الوطن للنشر، طبعہ، اولیٰ، ۱۴۱۲ھ

مفتاح دار السعادۃ، ابن القیم الجوزیۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان،2010ء

مفرادت القرآن، امام راغب اصفہانی، شیخ شمس الحق لاہور ۱۹۸۷ء

مقارنۃ الادیان، ڈاکٹر احمد شبلی، النھضۃ المصریۃ شارع عربی، القاھرہ، ۱۹۸۴ء

الوجیز فی عقیدۃ السلف الصالح، عبد الحمید الاثری، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ ولاتقاق السعودیۃ، طبعہ، اولیٰ، بدون سنہ

اردو کتب:

اسباب زوال امت، علامہ شکیب ارسلان، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد،2012ء

اسلام کا سیاسی نظام، چوہدری غلام رسول، علمی کتب خانہ لاہور، بدون سنہ

اسلام اور مذہبی رواداری، جعفری رئیس احمد، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، بدون سنہ

اسلامی نظام حکومت، راشدہ شعیب، بک پروموئز، اسلام آباد، مطبع ۱۹۹۵ء

اسباب زوال امت، چوہدری رحمت علی، دارالرحمت، لاہور، بدون سنہ

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات، مولانا سید ابو الحسن ندوی، مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی، 2009ء

رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر حمید اللہ، آصف جاوید، لاہور، ۲۰۱۳ء

خطبات آزاد، ابو الکلام آزاد، ارشد بک سیلرز علامہ اقبال روڈ آزاد کشمیر بدون سنہ

دولت قرآن کی قدر و عظمت، مولانا تقی عثمانی، یمن اسلامک پبلشرز 1988ء

دین کا متوازن تصور، ڈاکٹر محسن عثمان ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۹ء

رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، دارالاشاعت کراچی بدون

سلطان صلاح الدین، اسلم راہی ایم اے، عمار پبلی کیشنز بدون سنہ

ریاست کی نشوونما، ڈاکٹر نثار احمد، نشریات اردو بازار لاہور، ۲۰۰۸ء

عہد نبوی ﷺ کا نظام حکمرانی، مکتبہ ابراہیمیہ، دکن، طبع دوم، ۱۹۴۹ء

کتاب الھدیٰ، یعقوب حسن، شمس ادب کراچی، ۲۰۰۰ء

کشاف اصطلاحات قانون، ساجد الرحمن صدیقی، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، بدون سنہ

مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال، کیرن آرم سٹرانگ، (محمد احسن بٹ)، آصف جاوید نگارشات 24، مزنگ روڈ لاہور ۲۰۰۰ء

مسلمان قاضیوں کے بے لاگ عدل، سید عبد الصبور طارق، منشورات لاہور، ۱۹۹۴ء

مغرب کا زوال اور مسلم نشاۃ ثانیہ کے روشن امکانات ڈاکٹر محمد امین، متحدہ ملی محاذ، بٹلہ ہاوس جامعہ نگر نئی دہلی 2011ء

مقالات سیرت، عدل اجتماعی کا تصور و اہمیت تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں، حافظ عبد الغفار، اسلام آباد

یہودی پرٹوکولز، وکٹر ای مارسڈن (محمد یحیٰ خان)، آصف جاوید نگارشات پبلشرز، ۲۴ مزنگ روڈ لاہور، ۲۰۱۵ء

انسائیکلوپیڈیاز:

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول، ۱۳۸۴ھ

اردو جامع انسائیکلوپیڈیا، زاہد حسین انجم، غلام علی اینڈ سنز لاہور، بدون سنہ

انسائیکلوپیڈیا آف ریلجین اینڈ آتھیکس، جیمز آتھیکس 1979ء

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، 1984ء

مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، ایم ایس ناز، غلام علی اینڈ سنز لاہور بدون سنہ

ورڈ بک انسائیکلوپیڈیا، یو ایس اے، اے ڈی شکاگو، ۱۹۷۹ء

کتب ادیان:

اسلام اور مذہب عالم، محمد مظہر الدین صدیقی، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور 2014ء

اسلامی تعلیمات، قدر آفاقی، پولیمز پبلشرز لاہور، بدون سنہ

بائیبل کا تحقیقی جائزہ، بشیر احمد، اسلامک سٹڈی فورم راولپنڈی ۲۰۰۳ء

بائیبل سے قرآن تک، مترجم اکبر علی، تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۲۰۰۴ء

تقابل ادیان، محمد یوسف خان، بیت العلوم لاہور، بدون سنہ

تعلیمات اسلام، ڈاکٹر طاہر القادری، ادارہ منہاج القرآن، بدون سنہ

دنیا کے بڑے مذاہب، ڈاکٹر ذاکر نائیک، عبد اللہ اکڈمی الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور، ۲۰۰۹ء

دینیات، ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن لاہور 2000ء

عیسائیت کا تجزیہ و طالعہ از ساجد میر، دار السلام لاہور، 2006ء

قاموس الکتاب، ایف ایس خیر اللہ، مسیحی کتب خانہ، فیروز پور روڈ لاہور ۱۹۹۳ء

مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، چوھدری غلام رسول چیمہ، غلام رسول اینڈ سنز لاہور، ۲۰۱۲ء

یہودیت، رابرٹ وین ڈی، مترجم ملک اشفاق، بک ہوم لاہور 2009ء

یہودیت اور نصرانیت، سید ابو الاعلی مودودی اسلامک پبلیکشنز لیمیٹڈ لاہور 2000ء

نصرانیت قرآن کی روشنی میں، ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، بدون سنہ

یہودیت اور مسیحیت، ڈاکٹر احسان الحق رانا، مسلم اکادمی ۱۸ محمد نگر لاہور، ۱۴۰۲ھ

رسائل:

ترجمان الحدیث، سید محمد الحسن، اسلامی پبلیکیشنز، ۲۰۰۲ء

محدث فورم، مضمون بعنوان "قرآن کریم سے دوری کے نتائج اور اس کا حل"، جون، ۲۰۱۱ء

انگلش کتب:

Did Jeuse Rise from the dead,Matthew Levering,Oxford Univeristoy Press 2019
Did jesus Rise From Dead,Willim Lane Craig, Impact 360 Institute 2014
Did Jesus Rise.6 Reasons in jesus,Resurrection Haden Clark,Indepandently Publisher 2018
Encyclopaedia Americana International Edtion,1984
Fishbane,Michael A.judisam:revelation andtraditions san Franisco Harpercollins, 1987
Jesus & the Rise of Early Christanity,Paul Barnett,Inter Varsity Press 2002
Studing the Historical Jesus,Darrell L.Bock,Baker Acadmic 2002
The Bible:the making and impct on the Bible a history,stephen robert,England lion Hudson
The histiriccal figure of jesus,E.P Sanders,Biography,Exegesis,1993
The post sovit decline of central Asia Erie W.Sievers ,Rou teledg 2013,